محبت فاتح عالم





ثمینہ رحمت منال

محبت فاتح عالم
ثمینہ رحمت منال
شاعری
تمثیل پبلیکیشنز



زیر نظر مجموعہ کلام مشاہدات و تجربات کے تغیرات کی ایسی عکاسی ہے جس نے تمام تر رکاوٹوں اور مشکلات کے باوجود محبت کو فاتح عالم کر دیا۔ منفرد لہجے میں کہے گئے اشعار ثمینہ رحمت منال کی تخلیقی اور پیش آئے حالات و واقعات کی بھرپور نمائندگی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس کتاب میں موجود ان کی پہلی غزل کے پہلے شعر سے لے کر آخری شعر تک ان کی جدوجہد کی مثالیں موجود ہیں۔

ایک عرصے تک ان کی شاعری پوری ہوتی رہی لیکن ثمینہ کو قدرت نے شاعری کا جو بیش بہا خزانہ بخشا ہے اس میں مزید اضافہ ہوتا چلا گیا اپنے بچوں کے بارے میں یہ خاتون بہت جذباتی ہے اور ان سے والہانہ محبت کرتی ہے۔ ثمینہ کی شاعری برطانیہ میں موجود دیگر شاعرات سے ان کو ممتاز کرتی ہے۔ ان کے کلام کی روانی، جدت، رومانیت اور مختلف جذبوں کے اظہار کی صورت میں خوبصورت شاعری پڑھنے کو ملتی ہے۔ ادب کا جو معیار اس کتاب میں نظر آیا ہے وہ نئے لکھنے والوں کے لئے بہت حوصلہ افزا ہے۔

مخدوم امجد شاہ (بانی چیئرمین اکادمی ادبیات برطانیہ)
0044 7956 514513



ISBN: - 978-627-7764-00-5

تمثیل پبلیکیشنز فیصل آباد، کراچی

زخم سینے کا میرے بھرا ہی نہیں
داغ دامن کا کوئی دھلا ہی نہیں

میرے ہاتھوں کے ناکے تو کھلنے لگے
دل کا بخیہ جو ادھڑا سلا ہی نہیں

واسطہ میں نے اس کو خدا کا دیا
وہ یہ بولا مرا تو خدا ہی نہیں

شہر میں مسئلہ اب بتاؤں کسے
کوئی میرے سوا آشنا ہی نہیں

لوٹ کر آئی ہوں میں تمہاری طرف
دور جانے کا اب حوصلہ ہی نہیں

مجھ کو دریا سمندر میں لے کر گرا
مجھ کو دریا کا اب سامنا ہی نہیں

سامنے اک عدل کا ترازو ہو کیوں
جب ترازو میں کچھ تولا ہی نہیں

ثمینہ رحمت منال

تمہیں ستانا نہ بھول جاؤں
میں یہ فسانہ نہ بھول جاؤں

فریب دو مجھ کو کوئی تازہ
فریب کھانا نہ بھول جاؤں

ذرا محبت کا گیت چھیڑو
میں گنگنانا نہ بھول جاؤں

لگاؤ پھر سے جگر پہ گھاؤ
میں زخم کھانا نہ بھول جاؤں

تمہاری گلیوں میں ہجر زادے
میں آنا جانا نہ بھول جاؤں

خوشی کی عادت نہ مجھ کو ڈالو
میں دکھ اٹھانا نہ بھول جاؤں

سخن مرا ہے مرا حوالہ
قلم اٹھانا نہ بھول جاؤں

ثمینہ رحمت منال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شاعری

محبت فاتحِ عالم

ثمینہ رحمت منال

تمثیل پبلی کیشنز۔فیصل آباد۔

نام کتاب	:	محبت فاتحِ عالم
موضوع	:	شاعری
شاعرہ	:	ثمینہ رحمت منال
کمپوزنگ	:	شہباز یونس شہباز
ایڈیٹنگ	:	منیب معراج
مطبع	:	سلیم نواز پرنٹنگ پریس (فیصل آباد)
ناشر	:	تمثیل پبلیکیشنز فیصل آباد، کراچی
اشاعتِ اوّل	:	2024ء
قیمت	:	1000 روپے
دیگر ممالک	:	10 ڈالر، 5 پاؤنڈ
تعداد	:	500

تمثیل پبلی کیشنز

فیصل آباد۔

0092 316 4077365 - 0092 335 8233757

انتساب

اپنے پیارے بیٹوں
یشم یسال اور راحم بلال کے نام

تم سے کیسے کہوں کہ کیا ہو تم
گل سے خوشبو کا رابطہ ہو تم
ابتدا کا تمھاری باعث میں
میری تکمیل کی بنا ہو تم
میں بھٹک جاؤں راستے میں اگر
میری امید کا دیا ہو تم

فہرست

حصہ نظم

عرض حال

محبت فاتح عالم میری نئ اور پرانی شاعری کا مجموعہ ہے

اس میں کچھ شاعری 2012 میں چھپنے والی کتاب گل بلوئی سے شامل ہے یہ 586 صفحات پہ مبنی کتاب تھی لیکن اس میں پرنٹنگ کی اتنی زیادہ غلطیاں تھیں کہ میں اسے مارکیٹ میں نہی لائی اور اب اس شاعری کو نئ کتابوں میں شامل کر کے نئ شاعری کے ساتھ آہستہ آہستہ چھپواؤں گی ۔

میری شاعری میرے زخم ہیں میری نظمیں میرا درد ہیں

میری نثر وہ تجربات ہیں جو اس ملک کے جہنم میں میرے ساتھ یا اور لوگوں کے ساتھ پیش آئے اور میں اس درد کو لوگوں کو محسوس کرواتی رہوں گی ان زخموں کی نمائش کرتی رہوں گیا وران تجربات کو بیان کرتی رہوں گی ۔ اور اگر زندگی نے مہلت دی تو اپنی پاکستان کی پھول جیسی زندگی اور برطانیہ کی زخم زخم زندگی کی پوری داستان اپنی آپ بیتی لکھ کے لوگوں کے لئے چھوڑ جاؤں گی تا کہ انہیں پتہ چلے کہ جن ملکوں کو جنت بنا کے لوگوں کے آگے پیش کیا جاتا ہے وہ دراصل کن لوگوں کی جنت ہے اور کن لوگوں کے لئے جہنم سے بھی بدتر جگہ ہے وہ لوگ جو ادب کے رکھوالے بنے ہوئے ہیں وہی دراصل ادب کی خرید وفروخت کا کام کر کے اپنا نام چمکاتے ہیں وہ لوگ جو قانون کے رکھوالے ہیں وہ قانون کی دھجیاں بکھیرتے ہیں وہ لوگ جو مذہب کے کرتا

دھرتا بنے ہوئے ہیں وہ سوال کرنے والے کے خلاف مذہب کارڈ استعمال کرتے ہیں محبت فاتح عالم ہے یہ محبت ماں کی اولاد سے محبت ہیجو ان سے بچھڑ کے اور مضبوط اور توانا ہوگئی ہے یہ محبت ایک انسان کی اس کے ملک سے محبت ہیجہاں واپس جانے کی خواہش اور ضد پہ اس کی زندگی جہنم بنادی گئی ۔

یہ محبت ایک شاعرہ کہ ادب سے محبت ہے جو چوروں ڈاکوؤں کی موجودگی کیے باوجود کم نہی ہوتی سبین سیف اور افتخار حیدر کا بے حد شکریہ جو میرا ساتھ دے رہے ہیں اور میرا مان بھی ہیں اس کتاب میں آپ کو پھول بھی ملیں گے جن کی خوشبو آپ کو اپنی روح میں محسوس ہوگی اور کانٹے بھی ملیں گے جن کی چبھن آپ کی ہتھیلیوں سے ہوتی ہوئی آپ کے انگ انگ کو تڑپا دے گی ۔ زندگی ہمیں ایک بار ملتی ہے اور ہر نیا دکھ بھی ہمیں ایک بار ملتا ہے اور ہر نئ خوشی بھی ایک بار ملتی ہے لیکن جب ہر آہٹ پہ دکھ دروازے پہ کھڑا ملے ہر خوشی کی اوٹ سے نیا دکھ جنم لے تو لفظ جنم لیتے ہیں شعر جنم لیتے ہیں امید جنم لیتی ہے اور یہ امید ہی ہوتی ہے جو ہمیں زندگی کا ساتھ نبھانے پہ مجبور کرتی چلی جاتی ہے اس زندگی کے خالق پہ بھروسہ ٹوٹنے لگتا ہے تو وہ پھر سے دامن تھام لیتا ہے اور گرنے سے پہلے بچالیتا ہے ڈوبنے سے پہلے کشتی کا انتظام کر دیتا ہے اور انسان لہروں سے لڑتا ہوا کنارے پہ پہنچ جاتا ہے ایسے

ہی لوگوں کو خدا قلم سونپ دیتا ہے کہ وہ دوسروں کو ڈوبنے سے بچائیں انہیں امید دلائیں کہ پوری دنیا مل کے آپ سے سب کچھ چھین بھی لے تو وہ خدا آپ کو پھر نواز دے گا اور چھننے والوں کو عبرت بنائے گا چاہے وہ اس دنیا میں ہو چاہے اس دنیا میں جہاں ہم سب کو لوٹ کے جانا ہے۔

(ثمینہ رحمت منال)

محبت فاتح عالم

ثمینہ رحمت منال جی کی کتاب ہے

چھوڑ دو کس نے کتنا لوٹا ہے،
کس لیے اپنا دل جلاتے ہو
بات چھوڑ و دراز زلفوں کی
یہ بتاؤ کے کیا کماتے ہو

میری بھی ایک نظم کا عنوان محبت فاتح عالم ہے اس کا کچھ حصہ دیکھئے:

محبت اسم اعظم ہے
اسے پڑھ کر زرا دیکھو
پھر اس کے بعد ہی جانو
کہ نفرت کیسے مرتی ہے
یہ دنیا کیسے دکھتی ہے
اسے پڑھ کر زرا دیکھو

یہ دنیا اور دنیا دار کیسے اپنے بنتے ہیں
محبت اسم اعظم ہے
محبت اسم اعظم ہے

محترمہ ثمینہ رحمت منال صاحبہ کے اس مجموعہ کلام محبت فاتح عالم میں عقیدت اور عاجزی کا رنگ پایا جاتا ہے اور اسی عاجزی اور عقیدت کے رنگ کی بدولت ہم سب محبت کرنے والوں کے لیے ثمینہ رحمت منال صاحبہ کی کتاب ایک تحفہ ہے۔

ثمینہ رحمت منال صاحبہ کی کتاب محبت فاتح عالم رومانیت اور روحانیت کا بڑا گہرا امتزاج ہے، دردمندی اور ہنرمندی کے خوبصورت رنگوں سے سجی یہ کتاب نئے آنے والوں کے لیے ایک بہت خوبصورت تحفہ ہے۔

شاعری اپنے آپ کو پہچاننے کا نام ہے، ثمینہ رحمت منال صاحبہ نے یہ کتاب لکھ کر نا صرف اپنے آپ کو پہچانا بلکہ محبت اور عقیدت کے وسیع معنوں سے ہم کو روشناس کروایا۔

ثمینہ رحمت منال صاحبہ آپ کو بہت بہت مبارک باد۔ لکھتی رہیے، محبت کرتی رہیے کیوں کہ رب نے اپنے محبوب کی خاطر یہ دنیا بنائی ہے۔

محبت فاتح عالم محبت فاتح عالم

شبین سیف.....کراچی

حمد باری تعالیٰ

رب یوں اپنی مثال دیتا ہے
ایک روشن چراغ ہو جیسے
جو کسی طاق میں پڑا ہوا ہے
جل رہا ہے جو بجھ نہیں سکتا

وہ دیا ہے اُسے تو جلنا ہے
دو جہانوں میں نور کرنا ہے
نہ اُسے اونگھ آ ہی سکتی ہے
نہ کسی پہر میں وہ تھکتا ہے
وہ دیا ہے اسے تو جلنا ہے
ذہن میں اک سوال باقی ہے

وہ دیا خود ہی جل گیا کیسے
کام سارا یہ چل گیا کیسے
کُن دیے میں بدل گیا کیسے
خاک آدم میں ڈھل گئی کیسے
مچھلی پانی میں پل گئی کیسے

موت شائد جواز اس کا ہے
رب سے ملنا جواب اس کا ہے
وہ دیا ہے اسے تو جلنا ہے
میں نے مر کر دیے سے ملنا ہے

اُس نے سارے حساب لینے ہیں
میں نے بھی کچھ جواب لینے ہیں
تو دیا ہے تو جل گیا کیسے
کام سارا یہ چل گیا کیسے

نعت

دلوں میں جو مثلِ نم رہا ہے وہ ہے محمد ﷺ
جو بن کے رحمت بہم رہا ہے وہ ہے محمد ﷺ
کوئی جو گستاخی کر کے ہو جائے اس پہ نادم
کہے وہ اپنی زباں سے میں ہوں نبی کا خادم
معاف کردیجے آقا میں بھی ہوں ابنِ آدم
جو عاصیوں کا بھرم رہا ہے وہ ہے محمد ﷺ

بجا ہے اپنے نبی کا اونچا مقام رکھیں
نہیں جو مانے نبی کی اس سے نہ کام رکھیں
پر اپنی نظروں کے آگے اُن کا پیام رکھیں
وہ جس کا اونچا علم رہا ہے وہ ہے محمد ﷺ

ہم اُمتی ہیں نبی کے جو ہے نبی سبھی کا
گدا ہے سارا جہان اور وہ سخی سبھی کا
قمر نہیں ہے فقط ہمارا یہ ہے سبھی کا
عدو پہ جس کا کرم رہا ہے وہ ہے محمد ﷺ

نصرت رسول پاک

نام لیوا ہیں ترے ہم اے محمد مصطفیٰ ﷺ
راہ میں تیری کھڑے ہم اے محمد مصطفیٰ ﷺ
کیا کہوں مسلم کے دل میں تو کہاں موجود ہے
تو ہے جان و دل میں باہم اے محمد مصطفیٰ ﷺ

کون سا مسلم ہے ایسا جس کو تو پیارا نہیں
ہے کوئی دریائے الفت جس کا تو دھارا نہیں
باغ میں وہ پھول ہو ٹہنی ہو یا برگ و ثمر
کون ہے جو ذکر سن کر آپ کا جھوما نہیں

غنچہ غنچہ آپ کی صورت پہ ہے ہر دم نثار
بوٹا بوٹا ہے چمن کا آپ کا مدحت گزار
اے حبیبِ کبریا اے دلبرِ پروردگار
آپ کے دم سے حیاتی کا چمن ہے پر بہار

پھول کو خوشبو سے پیارا ہے محمد مصطفیٰ ﷺ
گل کا نغمہ اور ترانہ ہے محمد مصطفیٰ ﷺ

اہلِ ایماں میں اخوت دیکھ پھر سے آ گئی
ان کی آنکھوں میں وہ شبنم دیکھ پھر سے آ گئی
تجھ پہ مر جانے کی جرأت دیکھ پھر سے آ گئی
تیری الفت ہے مقدم اے محمد مصطفیٰ ﷺ

ہے معافی شان تیری ہم مگر گستاخ ہیں
نام پر مرتے ہیں تیرے ہم ترے مشتاق ہیں
دل ہمارے نرم جو ہیں ولولے بے باک ہیں
لوگ کہتے ہیں مسلماں موت کے تیراک ہیں
ہم کو قرآں کی تمازت دے محمد مصطفیٰ ﷺ

جن گلابوں کے لیے آباد ہیں
ان کو ہم بنجر زمیں کی کھاد ہیں

میری ہستی نے تجھے چونکا دیا
یہ ترے طعنے بھی مجھ کو داد ہیں

میں زمیں کے آخری کونے میں ہوں
اس جگہ میرے بھی کچھ ہمزاد ہیں

گھر سے میں نکلی تو دنیا دیکھ لی
ایک مجھ کو چھوڑ کر سب شاد ہیں

کل کسی کی التجا تھے ہم فقیر
آج تپتے شہر کی فریاد ہیں

جام اپنے توڑ بیٹھی میں سبھی
میرے پیمانے سب اس کو یاد ہیں

میرے گھر میں کیوں اندھیرا بڑھ گیا
روشنی کے سب نگر آباد ہیں

توڑ کر پنجرہ پرندوں نے کہا
وقت کی ہم قید سے آزاد ہیں

ہوگئیں برباد ساری نفرتیں
دوستی کی راہ پر سب شاد ہیں

گاہے ٹھوکر مارتی گاہے گرا دیتی ہے تو
زندگی معلوم ہے کتنا تھکا دیتی ہے تو؟

تجھ میں کوئی درد کا احساس تک باقی نہیں
ہانپنے لگتی ہوں میں اور مسکرا دیتی ہے تو

امتحاں اک بار لینا چاہیے تھا زندگی
ہر قدم پر نت نیا پرچہ تھما دیتی ہے تو

چھوڑ کر آتی ہوں جن کو وقت کی دہلیز پر
گھر کی چوکھٹ پر وہی پتھر سجا دیتی ہے تو

ڈال دیتا ہے قفس جو خود ہی تیری قید میں
وہ پرندے اپنے ہاتھوں سے اڑا دیتی ہے تو

ہے بڑی مضبوط میری ذات پر تیری گرفت
مرنے لگتی ہوں تو پھر شانہ ہلا دیتی ہے تو

بوجھ ہے تیری کمر پر تو چلا کر ہوش سے
قیمتی لمحے تھکاوٹ میں گرا دیتی ہے تو

خواب کو تعبیر کرنے کا سمے ملتا نہیں
جاگ جاتی ہے ثمن تو پھر سلا دیتی ہے تو

جو ہے زخم دینے کا حوصلہ تو نہ پیٹھ پیچھے سے وار کر
جو بچے ہیں تیر کمان میں وہ جگر میں دیکھ اتار کر

کبھی آ کے اپنی ہی لہر میں مرے ہونٹ آ کے وہ چوم لے
کبھی یوں ہی مجھ سے وہ بول دے کہ نہ اس طرح بے قرار کر

سبھی دیکھتے ہیں گلاب کو تکے شاخِ گل کو کوئی کوئی
میرے رنج و غم پہ تو دھیان کر مرے قہقہے نہ شمار کر

کٹا وسوسوں میں ہے راستہ، بہے اشک آنکھوں سے بے بہا
مجھے اشک دے کے کیا چلا گیا، مرے چشم و دل کو نکھار کر

کبھی اے ثمن وہ جو مل گیا تو بتاؤں گی اسے مسئلہ
یا ڈبو مجھے تہِ بحرِ دل یا مرے سفینے کو پار کر

بن کے فقیر میں ترے در پر صدا کروں
جب عشق کر لیا ہے تو پھر اور کیا کروں

تسلیم کر لیا ہے کہ تو ہے خدائے حسن
تیرے لیے نماز محبت ادا کروں

تو شہر شہر گھوم رہا ہے مرے بغیر
تو پھر بھی چاہتا ہے میں تجھ سے وفا کروں

کاغذ قلم دوات میسر ہو رات دن
ہو مجھ کو اختیار تو ہر دم لکھا کروں

تو چاہتا ہے آج تجھے بھول جاوں میں
ممکن نہیں کہ خود کو میں خود سے جدا کروں

میں بزم بزم گھوم رہی ہوں اسی لیے
مل جائے تو کہیں تو میں تجھ سے گلہ کروں

کرنا پڑے گا ایک دن اپنا ہی سامنا
میں جانتی ہوں دل کو اگر آئینہ کروں

پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ ہو گیا خدا
جس شخص کو بھی ناؤ کا میں ناخدا کروں

اپنا نہ کوئی شعر کسی دل میں سمایا
اشعار سے ہم نے نہ زرِ داد کمایا

سامع نے تو غزلوں سے فقط حظ ہے اٹھایا
شاعر تو تجھے اصل میں یزداں نے بنایا

کب میں نے شجر کاٹ کے تعمیر کیا گھر
میں نے تو فقط باغ سے خوشبو کو چرایا

وہ جس کی صداؤں نے مرا مان نہ رکھا
میں دوڑ کے آئی مجھے جب اُس نے بلایا

خالق نے بنایا تھا تجھے روپ کی دیوی
اُس روپ پہ کیوں تُو نے یہ بہروپ سجایا

ہے کوئی تو رزّاق سدا جس کے بھروسے
ہم نے نہ تجوری میں کبھی مال چھپایا

جب شہر کی رونق سے بڑھی وحشتِ جاں اور
ہم نے کسی ویرانے میں جا خود کو بسایا

ممکن ہے کہ کل قدر ہو کچھ اہلِ جنوں کی
اِمروز تو دنیا نے اِنہیں خوب ستایا

جیون کی کہانی میں تجھے کیسے سناؤں
کیسے میں بتاؤں مجھے کس کس نے رلایا

ہے کوئی تو ”فی احسنِ تقویم“ کا مظہر
ہے کوئی تو فرصت میں تجھے جس نے بنایا

مایوس کیا تم نے بہت اپنے خدا کو
کچھ شکر کیا اور نہ سر اپنا جھکایا

بابا نے کہا مٹی ہوں مٹی میں رہوں گا
یہ کہہ کے تہِہ خاک مکاں اپنا بنایا

❀❀❀

بدن جلا کے اندھیروں میں روشنی کر لی
تو ہم سے چاند ستاروں نے دوستی کر لی

جو زندگی کی طرف لے کے آ رہا تھا مجھے
خبر چھپی ہے کہ اس نے بھی خودکشی کر لی

مجھے بتایا تھا کل اس کی پہلی بیوی نے
کہ میرے ہوتے ہوئے،اس نے دوسری کر لی

تری جدائی کا دکھ بھی مجھے غنیمت ہے
بچھڑ کے میں نے محبت کی شاعری کر لی

اٹھا کے دوش پہ پھرتے ہیں ہم زمانے کا غم
خود اپنی ذات سے ہم نے بھی دشمنی کر لی

تم میرا ظرف آزماؤ گے
اپنا حق اس طرح جتاؤ گے

اپنی ماں کے کہے میں آؤ گے
انگلیوں پر مجھے نچاؤ گے

تم مجھے چھوڑ تو رہے ہو مگر
رنج وغم بعد میں اٹھاؤ گے

میں بہت قیمتی سہی لیکن
تم مجھے رکھ کے بھول جاؤ گے

میں پیوں گی شراب آنکھوں سے
تم بہکنا مجھے سکھاؤ گے

میرے نغمے کبھی تو گاؤ گے
میری غزلیں مجھے سناؤ گے

میں جیوں گی اس ایک لمحے میں
جب مری لاش تم اٹھاؤ گے

وہ گھڑی کیا حسیں گھڑی ہوگی
جس میں تم مجھ کو آزماؤ گے

اپنے بچوں کا پیٹ بھرتے ہو
میری خاطر بھی کچھ کماؤ گے

میں نے سوچا نہ تھا تصور میں
تم بھی آخر مجھے ستاؤ گے

میں اسی مخمصے میں ماری گئی
میں جو روٹھی مجھے مناؤ گے

میں نے جو زندگی گزاری ہے
تم نہ ہرگز گزار پاؤ گے

میں تو جیتی ہوں ہر گھڑی اس میں
تم محبت میں ہار جاؤ گے

ہم نے قسمت سے جدائی لے لی
یوں ترے غم سے رہائی لے لی

دل کیا مفت رفوگر نے رفو
آنکھ سے دل کی سلائی لے لی

آخرش گھر تو سجانا تھا ہمیں
ہم نے بیٹی بھی پرائی لے لی

برف کی طرح سے ٹھنڈا تھا وجود
ہم نے گرمی میں رضائی لے لی

اس کی روزی میں نہیں تھی برکت
جس نے بیوی سے کمائی لے لی

لے کے خود اپنی وہ آئی سوتن
اور شوہر سے بدھائی لے لی

گرچہ بستر کی طلب تھی ہم کو
پھر بھی سونے کو چٹائی لے لی

دے کے دھوکہ ہمیں اشارو تم
کھو گئے کس جگہ نظارو تم

کوئلے ہیرے بن کے نکلے ہیں
بچ کے رہنا سبھی سنارو تم

وقتِ رخصت یہ تم پہ بین کرے
زندگی اس طرح گزارو تم

جسم میں روح جس طرح اترے
نشہ بوتل میں یوں اتارو تم

لڑنا پت جھڑ سے آ گیا تم کو
رنگ پھولوں کے پھر نکھارو تم

ہیں غضب ہجر کی ہوائیں سرد
روپ کی چاندنی اتارو تم

کوئی چاہے سنے سنے نہ سنے
دل سے اک بار تو پکارو تم

ہم نے پڑھ لکھ کے سب گنوایا ہے
ہم سے بہتر ہو اے گنوارو تم

میں ابھی صرف ایک شعلہ ہوں
لڑنے کیوں آ گئے چنارو تم

اوڑھ لی میں نے بھی ہری چادر
اب مجھے مان لو مزارو تم

بدن کا بوجھ زمیں پر اتار جانا ہے
کرن کو سیڑھی بناو کہ پار جانا ہے

نظر اٹھائی تو وہ دشمنوں کی صف میں ملا
جسے بھی ہم نے مصیبت میں یار جانا ہے

بھرم تمھاری سخاوت کا ہم نے یوں رکھا
ذرا سی چیز کو بھی بے شمار جانا ہے

اسی لیے تو غلامی نصیب ہے اس کا
کمینے بھائی نے بہنوں کو بار جانا ہے

بس اک نگاہ غلط ڈال کر وہ آگے بڑھا
ہمیں بھی اس نے کوئی اشتہار جانا ہے

وہ بات بات میں کرتے ہیں لین دین کی بات
جنھوں نے پیار کو بھی کاروبار جانا ہے

بھنور کو پاوں میں باندھو، ہمارے ساتھ چلو
ہمیں تو آج ہی دریا کے پار جانا ہے

سمندروں سے جو موتی نکلنے والے تھے
وہ اشک بن کے سر بزم اچھلنے والے تھے

اگر تو آج نہ آتا کنار دریا پر
نہنگ درد کے مجھ کو نگلنے والے تھے

کسی نے روک لیا ہے فغان پیہم سے
وگرنہ آنکھ سے چشمے ابلنے والے تھے

تمام ہم سفروں کو ہی ہم نے روک لیا
وہ منزلوں سے بھی آگے نکلنے والے تھے

دکاں میں رکھے ہوئے مال میں ملاوٹ تھی
ہمارے پاس بھی سکے نہ چلنے والے تھے

ہمارے ہونٹوں پہ لکھا ہوا تھا پیاس کا نام
تمھاری بزم میں جب جام اچھلنے والے تھے

یہ کس نے تھام لیا ہم کو گرتے گرتے منال
سبھی نے دیکھا کہ ہم خود سنبھلنے والے تھے

جو نہ کبھی پکائے ہم نے
وہ کھانے بھی کھائے ہم نے

اس نے کہا کیا پیش کریں گی
دے دی اپنی چائے ہم نے

کسی کو دھوکہ دے سکتے تھے
ایسے وقت گنوائے ہم نے

اس نے ہم کو دھوپ میں چھوڑا
جس پہ کیئے تھے سائے ہم نے

کتنی آہیں دل سے نکلیں
کتنے اشک بہائے ہم نے

جن کا نشانہ کوئی نہیں تھا
ایسے تیر چلائے ہم نے

اس نے مڑ کر حال نہ پوچھا
جس کو داغ دکھائے ہم نے

بھید ہمارے اس نے کھولے
جس کے راز چھپائے ہم نے

کانٹے راہ میں اس نے پھینکے
ہار جسے پہنائے ہم نے

اس نے زخم عطا کر ڈالا
زخم جسے دکھلائے ہم نے

اس نے پوچھا کیسا ہوں میں
دے دی اپنی رائے ہم نے

جو چلتا تھا مجھے سب سے بچا کے
کہاں وہ چل دیا دامن چھڑا کے

میں کب سے بے اماں سی پھر رہی تھی
سکوں آیا تیرے پہلو میں آ کے

میں پیاسی پھر رہی ہوں صحرا صحرا
سناؤ واقعے کچھ کربلا کے

لبوں کو سی لیا ہے میں نے لیکن
وہ خود بھی ڈر گیا مجھ کو ڈرا کے

اگرچہ سازشیں بے حد ہوئی تھیں
وہ واپس آ گیا سب کچھ بھلا کے

زندگی میرے لئے آزار ہے
مجھ کو کوئی مشورہ درکار ہے

ایک بھوکا پوچھنے آیا ہے یہ
کیا یہاں کوئی پاس میں دربار ہے

آپ تو بس سر ہلاتے جاؤ گے
آپ سے کچھ پوچھنا بے کار ہے

اس نے میری پیشکش سن کر کہا
میری جانب سے تمہیں انکار ہے

پیڑ پر بیٹھی ہیں چڑیاں تیرے گھر
میرے آنگن میں مگر چہکار ہے

میں نے لکھا زندگی کو خط میں یہ
تجھ سے میرا روٹھنا بیکار ہے

مجھ سے بیٹے نے میرے پوچھا ہے یہ
کیا محرم بھی کوئی تہوار ہے

مجھ کو اس کی ہر ادا ہی بھا گئی
وہ جو میرے نام سے بے زار ہے

جیسے تن پہ کوئی لباس رہے
ایسے ہم تیرے آس پاس رہے

زندگی سانحوں میں بیت گئی
خوش رہے اور نہ ہم اداس رہے

تم کوئی عام آدمی ہی تو تھے
جانے کیوں پھر سبھی میں خاص رہے

دل میں ایسے تمہیں بسایا ہے
جیسے پھولوں میں انکی باس رہے

اب کے بچھڑے تو رابطہ رکھنا
تاکہ ملنے کی کوئی آس رہے

اس طرح ہم نے تم کو چاہا ہے
جیسے ہڈی کے ساتھ ماس رہے

میں کنارے فرات کے ہوں کھڑی
میرے ہونٹوں پہ کیوں نہ پیاس رہے

جس کے تن پہ لباس کوئی نہیں
دھیان میں اس کے بھی کپاس رہے

تم کو چاہا ہے بے وفا کی طرح
ہم اگرچہ وفا شناس رہے

میں ہوں داستاں اور یہ عنوان ہے
مرا دیس ہی میری پہچان ہے

مری لاش جھنڈے میں لپٹے ترے
مرے دل میں بس ایک ارمان ہے

میں جب سے گئی ہوں وطن چھوڑ کر
تبھی سے یہ دل میرا ویران ہے

میں چڑیوں کی چہکار سنتی نہیں
خموشی بھی اب مجھ سے انجان ہے

وہ یادیں وہ باتیں مرے دیس کی
اثاثہ مرا، میرا سامان ہے

فقط ایک جاں ہے مرے جسم میں
ہو سو جان تو وہ بھی قربان ہے

مرے لب پہ نعرہ مرے دیس کا
مرے ہاتھوں میں رب کا قرآن ہے

تجھے خود سے کیسے جدا میں کروں
تو دل ہے مرا تو مری جان ہے

کہاں چل دیے سب اسے چھوڑ کر
گلی ہر وطن کی ہی ویران ہے

مجھے شعر کہنا نہ آتا کبھی
یہ اردو زباں دیس کا دان ہے

جس کے دم سے مہک رہا یہ گلشن اپنا سارا ہے
ہم کو وہ قائد تو اپنی جان سے بڑھ کر پیارا ہے

جیسے فلک پر چاند کی کرنیں رات کو روشن کرتی ہیں
ویسے اپنے پرچم پر اک جگ مگ کرتا تارا ہے

میں نے جھانک کے دیکھا ہے کئی بار ہی دیس کی گلیوں میں
دیس کے ہر اک گوشے میں جنت کا ایک نظارہ ہے

ہم کو دیس بدر کر کے سب لوگ یہ ہم سے کہتے ہیں
جو بھی اپنی شاخ سے ٹوٹے وہ پتہ آوارہ ہے

آج بھی ہونٹوں کی جنبش سے ملی نغمے جھڑتے رہتے ہیں
لاکھوں تیر ہیں سینے پر اور تنہا دل بیچارہ ہے

جیون نے گر ساتھ دیا تو میں یہ کہانی لکھوں گی
بیٹے کو پردیس میں جا کر کس کس غم نے مارا ہے

دل بھی خون بہاتا ہے آنسو بھی گرتے رہتے ہیں
بیٹی پیدا کر کے جگ میں باپ بنا بیچارہ ہے

جب میں دیس کو چھوڑ کے نکلی آنکھ میں آنسو آئے تھے
آج بھی اپنے دیس کی خاطر روتا دل دکھیارا ہے

دیا گیا ہے نیا حکم خواب بینوں کو
کہ پیار پہلے سے بڑھ کر کریں مشینوں کو

کسی نماز میں جذبات کا وفور نہیں
رگڑتے رہتے ہیں ہم خاک پر جبینوں کو

عجیب زہر سا بھرنے لگا ہے فصلوں میں
لگایا کس نے یہ پانی مری زمینوں کو

میں جانتی ہوں مرے ناخدا بہت سے تھے
ڈبویا کس نے مرے درد کے سفینوں کو

حسین ہو کے بھی محتاج غازہ رہتے ہیں
لگی ہے کس کی نظر آج مہ جبینوں کو

جو شعر اچھا ہو،اس پر خموش رہتے ہیں
خدا نے ذوق سخن دے دیا کمینوں کو

یہ میرے لفظ،مرے درد کی گواہی ہیں
مجھے سنبھال کے رکھنا ہے ان نگینوں کو

کبھی لٹی ہوں، کبھی مر گئی،کبھی بچھڑی
برت چکی ہوں محبت کے سب قرینوں کو

دکھائی دینے لگا ہے منال اپنا مآل
یہ میری آنکھ لگی کیسی دور بینوں کو

محبتوں کی ریاضت میں ماری جاوں گی
وصال یار کی لذت میں ماری جاوں گی

بچائے رکھے گی مصروفیت مری مجھ کو
میں اپنی پہلی ہی فرصت میں ماری جاوں گی

یہ میرے پیچھے کھڑے لوگ مجھ کو کچلیں گے
میں آپ اپنی قیادت میں ماری جاوں گی

رہوں گی زندہ میں نفرت کے نعرے لگوا کر
محبتوں کی سیاست میں ماری میں ماری جاوں گی

ہر اجنبی پہ میں کرتی ہوں اعتبار منال
میں ایک دن اسی عجلت میں ماری جاوں گی

کبھی مروں گی میں بدنامیوں کے مقتل میں
کبھی میں حسرت شہرت میں ماری جاوں گی

دفینہ کھودتے ہی سانپ مجھ کو ڈس لے گا
میں اپنی خواہش دولت میں ماری جاوں گی

دیار غیر سے اب لوٹنا نہیں ممکن
میں جانتی ہوں کہ غربت میں ماری جاوں گی

پڑے گی کوئی ضرورت نہ مجھ کو صحرا کی
میں اپنے خانہء وحشت میں ماری جاوں گی

تمھارے دل میں وفا نہیں ہے
ذرا بھی خوفِ خدا نہیں ہے

مرے مقدر میں تھی جدائی
کسی سے کوئی گلہ نہیں ہے

خدا بھی شکوہ کناں ہے تم سے
تمھارے لب پر دعا نہیں ہے

یہ دل تمھیں ڈھونڈتا ہے ہر سو
زباں پہ گرچہ صدا نہیں ہے

میں اس کے بارے میں کیسے لکھوں
یہ دل جسے مانتا نہیں ہے

نکاح میرا ہوا تھا اس سے
مگر کوئی جانتا نہیں ہے

تیری چاہت سے تنگ تھوڑی تھے
ہم مخالف کے سنگ تھوڑی تھے

ہم تو حیران تھے محبت میں
دیکھ کر تجھ کو دنگ تھوڑی تھے

تیرے کہنے پہ چھوڑ دی دنیا
ورنہ دنیا سے تنگ تھوڑی تھے

توڑ کر رکھ دیا ہمیں اس نے
ہم دلہن کا پلنگ تھوڑی تھے

ہم ترے عشق میں ہوئے مجنوں
کسی در کے ملنگ تھوڑی تھے

سب سیاہی تھی میری خوابوں کی
وہ جو بکھرے تھے رنگ تھوڑی تھے

لوگ کیوں دیکھتے تھے حیرت سے
ہم زمانے کا ننگ تھوڑی تھے

اڑتے پھرتے تھے کیوں ادھر سے ادھر
آدمی تھے پتنگ تھوڑی تھے

اپنا بستر تھا گھر کا ٹوٹا فرش
اپنے گھر میں پلنگ تھوڑی تھے

بہت گرچہ خسارہ ہو رہا ہے
تمھارے بن گزارا ہو رہا ہے

چناؤ میں نہ جانے کون جیتا
الیکشن جو دوبارہ ہو رہا ہے

سڑک پر سبز بتی جل گئی ہے
میں نکلوں یہ اشارہ ہو رہا ہے

جو میری آنکھ میں چبھتا تھا پہلے
مری آنکھوں کا تارہ ہو رہا ہے

ابھی مجھ کو یہ منظر دیکھنا ہے
ابھی اس کا نظارہ ہو رہا ہے

نہ جانے کون سا جادو ہے تم میں
کہ دل پھر سے تمھارا ہو رہا ہے

سہارا تھا جو کنبے کا وہ بوڑھا
وہی اب بے سہارا ہو رہا ہے

اب اس میں خوں کا قطرہ بھی نہیں ہے
مرا دل آب پارہ ہو رہا ہے

میرے دل میں اب بھی تیری یاد ہے
دل میرا پھر بھی مگر ناشاد ہے

آج اپنے جسم سے نکلی ہوں میں
آج میری روح بھی آزاد ہے

اک نظر میں پھر سے اس کو دیکھ لوں
میری رب سے بس یہی فریاد ہے

تو سبق دیتا ہے بعد از امتحاں
اے زمانے تو بڑا استاد ہے

مذہبی سارے جنونی ہوگئے
آج سے مذہب مرا الحاد ہے

میں نے پوچھا اپنے سائے سے منال
کیا تمھارا بھی کوئی ہمزاد ہے

خود ہی اپنا دیا بجھاتے ہو
اپنے ماں باپ کو ستاتے ہو

تم مرے خواب بیچ آتے ہو
پھر مجھے نیند سے جگاتے ہو

میں تو اس بزم سے چلی بھی گئی
اپنی غزلیں کسے سناتے ہو

سسکیوں کی صدا سنو آکر
ہچکیوں میں بھی یاد آتے ہو

اشک بہنے دو اپنی آنکھوں سے
اپنے چہرے کو کیوں چھپاتے ہو

میری اردو زباں میں جادو ہے
مجھ کو انگریز کیوں بناتے ہو

مجھ کو نظمیں تمھاری ازبر ہیں
تم مرے شعر بھول جاتے ہو

لوگ سارے یہاں کے بہرے ہیں
کس کو آہ و فغاں سناتے ہو

آدھے رستے میں چھوڑنا ہے جب
ہاتھ ہاتھوں میں کیوں تھماتے ہو

چھوڑ دو کس نے کتنا لوٹا ہے
کس لیے اپنا دل جلاتے ہو

ہے عجب سا تمھارا ہنسنا بھی
میں جو روتی ہوں مسکراتے ہو

سوکھ جاتے ہیں آنکھ کے دریا
تم جو سورج خرید لاتے ہو

میں نہ مسکین اور نہ ہوں میں غریب
بے سبب مجھ پہ ترس کھاتے ہو

بات چھوڑو دراز زلفوں کی
یہ بتاؤ کہ کیا کماتے ہو

زخم سینے کا میرا بھرا ہی نہیں
داغ دامن کا کوئی دھلا ہی نہیں

اپنا باغیچہ اس نے دکھایا مجھے.
اس میں دل کا شگوفہ کھلا ہی نہیں

ہاتھ باندھے ہوئے وہ کھڑا ہی رہا
رہنما اس کا اس سے ملا ہی نہیں

میرے ہاتھوں کے ٹانکے تو کھلنے لگے
دل کا بخیہ جو ادھڑا سلا ہی نہیں

واسطہ میں نے اس کو خدا کا دیا
وہ یہ بولا مرا تو خدا ہی نہیں

میں قیادت سیاست میں الجھی رہی
دال روٹی مرا مسئلہ ہی نہیں

اس نے مجھ سے کہا عشق کیسے کریں
ایسے دھندے میں کچھ فائدہ ہی نہیں

اس زمانے میں سب کچھ بدل سا گیا ہے
دل کا دل سے کوئی رابطہ ہی نہیں

کیا گزرتی ہے جب کوئی اپنا نہ ہو
مجھ سے بڑھ کر کوئی جانتا ہی نہیں

کربلا کی کہانی نہ پوچھو کہ یہ
سانحہ ہے فقط واقعہ ہی نہیں

میرے بڑھتے قدم کیسے روکے گا وہ
اس کا مجھ سے کوئی واسطہ ہی نہیں

مجھ کو آنکھوں میں کاجل لگانا پڑا
سرمہ دانی میں سرمہ بچا ہی نہیں

تم نہ کرنا کسی سے محبت کبھی
حکم اس کو سمجھ مشورہ ہی نہیں

اس کو دکھتی ہیں ہر سمت ہی تتلیاں
پھول کی سمت وہ دیکھتا ہی نہیں

روپ اپنا سنواروں میں کس کے لیے
میرا شوہر مجھے چاہتا ہی نہیں

اس نے کاسے میں خیرات مانگی تو ہے
مجھ کو مجھ سے مگر مانگتا ہی نہیں

سب سے لڑتے ہیں اپنے خدا کے لیے
پر خدا کو کوئی جانتا ہی نہیں

شہر میں مسئلہ اب بتاؤں کسے
کوئی تیرے سوا آشنا ہی نہیں

دید کی بھیک سے شاعری ہو عطا
کوئی اس کے سوا راستہ ہی نہیں

دان کر دوں تجھے میں سبھی شاعری
اس عنایت پہ دل مانتا ہی نہیں

بس یہی بات اس کی مجھے یاد ہے
میں نے تم کو کبھی بھولنا ہی نہیں

لوٹ کر آئی ہوں میں تمہاری طرف
دور جانے کا اب حوصلہ ہی نہیں

مجھ کو دریا سمندر میں لے کر گرا
مجھ کو دریا کا اب سامنا ہی نہیں

تیر چاروں طرف سے نکل آئے ہیں
ہاتھ تیرا مجھے تھامنا ہی نہیں

میں عدالت میں جا کر بھی خاموش ہوں
اپنے حق میں مجھے بولنا ہی نہیں

سامنے اک عدل کا ترازو ہو کیوں
جب ترازو میں کچھ تولنا ہی نہیں

کچھ اور نہیں عمرو کی زنبیل کو طے کر
تاریکی سے لڑ نور کی قندیل کو طے کر

تو سیکھ لے قرآن سے جینے کا قرینہ
مذہب ہے کوئی اور تو انجیل کو طے کر

کیا چیز اذیت ہے تو بس چھوڑ دے اس کو
اک بچے کی ماں بن کسی تکمیل کو طے کر

ممکن ہے مری ذات ہو تکمیل کسی کی
تو پہلے میری ذات کی تشکیل کو طے کر

اس پوری کہانی کا خلاصہ ہی بتا دے
کب میں نے کہا تو کسی تفصیل کو طے کر

مجنوں یہ ترا عشق میں بیمار بہت ہے
غم میں ترے سنسار سے بیزار بہت ہے

سرکار ہمیں کچھ بھی نہیں دیتی ہے صاحب
اور آج سے اس دیس میں سرکار بہت ہے

اب ہم سے غمِ عشق سہا جائے نہ جانا
اس دل پہ غمِ دہر کی یلغار بہت ہے

ہم لوگوں کو غم بھی تو نہیں مفت میں ملتا
تم لوگوں کے گھر خوشیوں کی بھرمار بہت ہے

تم چاہو تو ہر چیز کو لمحوں میں خریدو
ہم جیسوں کو تم سا ہی خریدار بہت ہے

تمھارے کاندھے پہ سر رکھ کے ہم بھی رو لیں گے
کہیں جو چین نہ آیا زمیں پہ سو لیں گے

جو حق پہ ہوتے تو پھر بولتے ذرا تم بھی
کہ ہم تو حق پہ ہیں ہم تو ضرور بولیں گے

ہم آئیں گے ترے مقتل میں ہنستے گاتے ہوئے
اور اپنے اشکوں سے اپنا لہو بھی دھو لیں گے

تمھیں رلائیں گے اپنے سنا کے قصے سبھی
تمہارے سامنے سب بھید اپنا کھولیں گے

آندھی سے بھی یہ بوجھ اٹھایا نہیں گیا
میں وہ چراغ ہوں جو بجھایا نہیں گیا

میں سب سے بیوقوف تھی گھر میں اسی لیے
کوئی بھی کام ذمے لگایا نہیں گیا

وہ اور لوگ ہوں گے جو مشہور ہو گئے
مجھ سے تو جگ میں نام کمایا نہیں گیا

جو بچ گئے تھے ان سے ہی راہ و رسم ہوئی
جو جا چکے تھے ان کو بلایا نہیں گیا

جو جاگتے تھے ان کو ملا خواب کا نشہ
جو سو رہے تھے ان کو جگایا نہیں گیا

ماں باپ کر رہے تھے جدائی پہ شاعری
بچوں کو داد دے کے سلایا نہیں گیا

پھر سے مرا بڑا کوئی نقصان ہو گیا
بھوکوں کو آج کھانا کھلایا نہیں گیا

تم نے تو میری ایک اک تصویر پھاڑ دی
مجھ سے تو ایک خط بھی جلایا نہیں گیا

رب نے مجھے جہان میں بھیجا تو ہے منال
میں کیا کروں گی مجھ کو بتایا نہیں گیا

چھین لیتا ہے یہ ماؤں کے سہارے کس لیے
ڈوب جاتے ہیں سمندر میں کنارے کس لیے

پوچھنا ہے پانیوں سے یہ مجھے یونان کے
تیری لہروں میں چھپے تھے تیز آرے کس لیے

کس نے بھاری تھال کو پانی میں الٹا کر دیا
عرش سے تو توڑ لایا سب ستارے کس لیے

کیا یہ مٹی کے کھلونے کوئی دہشت گرد تھے
تو نے کشتی کو الٹ کر لوگ مارے کس لیے

گاؤں کی فصلوں سے ان کو رزق تک ملتا نہ تھا
تو نے خوشحالی کے مارے خواب سارے کس لیے

باپ نے روکا بھی تھا جاؤ نہ آنگن چھوڑ کر
موت کے کہنے میں آئے بھوک مارے کس لیے

ان کو کب معلوم تھا واپس نہیں آ پائیں گے
اپنی دھرتی چھوڑ کر نکلے تھے پیارے کس لیے

تم نہ تھے تیراک لیکن موت تو سفاک تھی
تم نے گہرے پانیوں میں پاؤں مارے کس لیے

مجھ کو ڈر ہے وہ لڑائی میں نہ ماری جائے
جو یہ کہتی ہے کہیں فوج یہ ساری جائے

ایک نشہ ہو جو پی کے بھی کبھی نہ اترے
اور اترے بھی تو سر سے نہ خماری جائے

بیٹی آنگن میں کھڑی باپ سے یہ پوچھتی ہے
چھوڑ کے تجھ کو کہاں راج دلاری جائے

باغباں کو بھی یہ احکام ملے ہیں اب کے
اوس کاغذ کے گلابوں پہ اتاری جائے

کون ہے لاش کو جو مارنے آیا ہے یہاں
جس کے بھی پاس ہے اس دل کی سپاری، جائے

شبِ عروسی ہے اس سوچ میں گم بیٹھی ہوں
زندگی موت کے پہلو میں نہ ماری جائے

تیر سینے میں لگے پار جگر کے جائے
دیکھنا یار ترا وار یہ کاری جائے

ڈوب جائے مجھ میں جو مجھ کو وہ ہستی چاہیے
اب مرے دریا کو اک کاغذ کی کشتی چاہیے

تیز بارش میں ہر اک چھتری کو ٹوٹا دیکھ کر
اپنے سر پر مجھ کو وہ بچپن کی تختی چاہیے

اس بلندی نے تو مجھ کو آسماں کالا دیا
اب مجھے گِل چاہیے مٹی کی پستی چاہیے

اب مرا ہے جسم لاغر روح بھی کمزور ہے
اب مجھے اک آسرا اے جان وقتی چاہیے

پوری بستی میں میرا کوئی نہیں ہے ہم نفس
ہم نفس اب تو مجھے پوری ہی بستی چاہیے

پر سکوں باہر ہوں جتنی دل میں اتنا شور ہے
کون کہتا ہے مری موجوں کو مستی چاہیے

اب مجھے الفت کی باتوں کی سمجھ آتی نہیں
اب مجھے کچھ تیرے لہجے میں بھی سختی چاہیے

آج کے بازار میں ہیرے کا گاہک کون ہے
آج کے گاہک کو ہر اک چیز سستی چاہیے

ابتدا کر کے سفر کی باپ سے اُس نے کہا
اب مجھے تیری دعا سے نیک بختی چاہیے

نوجواں بیٹے کی میت پر ذرا تو ٹھہریے
باپ کے لرزش زدہ ہاتھوں کو سختی چاہیے

سردیوں کی رات میں بستر کی حدت کے لیے
دو دلوں کے بیچ میں اک آگ جلتی چاہیے

جل رہا ہے جو اکیلا سرد پڑتی رات میں
تیرگی کو اس دیے کی لو تھرکتی چاہیے

رات کے پہلو میں کس نے دن کو لا کر رکھ دیا
اب اُسے چندہ نہ تارے صرف مستی چاہیے

اب مجھے مر کر زمیں کی خاک ہونا ہے ثمن
اب مجھے اپنے لیے اپنی ہی دھرتی چاہیے

چھپ چھپ کے لگائے کہ سرِ عام لگائے
لوگوں نے تو مریم پہ بھی الزام لگائے

تم سے تو توقع تھی مجھے صرف وفا کی
تم نے بھی گنہ اپنے مرے نام لگائے

انمول سمجھ کر نہ جسے میں نے خریدا
اس نے ہی سرِعام مرے دام لگائے

کوئی تو شہادت ہو مرے دامنِ تر کی
یوسف کی گواہی پہ تو خدام لگائے

کتنے ہی سفینوں کو لبِ بام ڈبویا
کتنے تھے بھنور میں جو لبِ بام لگائے

اوروں کے دکھوں کو میں لکھوں اپنے قلم سے
قدرت نے مرے ذمے عجب کام لگائے

مریم کے تقدس پہ ہے قرآں کی گواہی
حوّا پہ کوئی شخص نہ الزام لگائے

اک آئینہ ایسا بھی بنا دے مرے مولا
وہ اس میں نظر آئے جو الزام لگائے

سچائی کے چوراہے پہ میں ڈٹ کے کھڑی ہوں
ہمت ہے کسی میں تو مرے دام لگائے

اس تیری محبت نے بس اک کا م کیا ہے
آنسو تھے فراواں جو کسی کام لگائے

منصف کوئی چاہیے ایسا بھی جہاں میں
جو مہر و وفا پر کوئی انعام لگائے

وہ بات تھی وہ جو بھرے شہر سے چھپانے کی
بنی ہے بات وہ سرخی مرے فسانے کی

جہاں میں کس نے بنائی ہے بے وفائی کی رسم
یہ کس نے ریت بنائی ہے چھوڑ جانے کی

ہر اک عذاب مرے گھر کو ڈھونڈ لیتا ہے
مری تلاش میں ہیں گردشیں زمانے کی

مجھے جو دیکھا تعاقب میں ہنس کے گل نے کہا
یہ عمر تیری نہیں تتلیاں اڑانے کی

یہ لوگ ہجر کے غم میں دہائی دیتے ہیں
کہاں وہ رسم گئی زخمِ دل چھپانے کی

اس اک امید پہ جیون تباہ کر بیٹھے
جو اک امید تھی اس کے پلٹ کر آنے کی

ہزار ساز بجائے تو سر کی شکل بنی
جہاں میں دھوم مچی ہے مرے ترانے کی

یقیں کریں کہ وہاں برق کا نشیمن تھا
بنا رکھی تھی جہاں میں نے آشیانے کی

الجھ رہا ہے مرا من جو تیری الجھن میں
سلجھ رہی ہیں کئی گتھیاں زمانے کی

ہے اک خواب مسلسل یہ زندگی اپنی
غم و نشاط ہیں دو کروٹیں زمانے کی

کسی کے چہرے پہ خوش رنگ پھول کھلنے لگے
خبر یہ کس نے سنائی بہار آنے کی

مری تقسیم کی باتیں کبھی تسلیم مت کرنا
یہ ٹکڑے موت ہیں میری مجھے تقسیم مت کرنا

بھلے ہو دلکش و رنگین دشمن پھر بھی دشمن ہے
کبھی برقِ تپاں کو روشنی تسلیم مت کرنا

کہیں ایسا نہ ہو پھر تو بھی اس کو دیکھ کر روئے
مقدر کی سیاہی کو کبھی تجسیم مت کرنا

سرِ شام الم دل ہے فراقِ یار میں مضطر
دلِ مضطر کو اے شامِ الم دو نیم مت کرنا

یہ پھولوں کے محافظ ہیں نہیں معلوم یہ ان کو
جو کہتے ہیں کہ کانٹوں کی کبھی تکریم مت کرنا

وہ جس ملت کی یکتائی پہ ہے تکلیف دنیا کو
اسے فرقوں قبیلوں میں کبھی تقسیم مت کرنا

یہ وصل و ہجر کے قصے مزہ ہے ان کو پڑھنے میں
محبت کے نصابوں میں کبھی ترمیم مت کرنا

یہ دنیا سامنے تیرے کئی رنگوں میں آئے گی
سوائے رنگِ الفت تم اسے تسلیم مت کرنا

کبھی تذلیل مت کرنا کسی بھی خاندانی کی
کمینے کو کبھی اوصاف کی تعلیم مت کرنا

سراپا عارضی ہے عارضی حسن و جوانی ہے
تم اس کی دلکشی کو دائمی تسلیم مت کرنا

یقیناً پھر تمھاری آبرو پر حرف آئے گا
ثمینہ تم کسی کم ظرف کی تعظیم مت کرنا

بے دلی کا مسکن ہے خوف کا بسیرا ہے
جسم کی حویلی میں وحشتوں کا ڈیرا ہے

آج بھی محبت کی روشنی ہے سینے میں
خواہشوں کے آنگن میں آج بھی سویرا ہے

اژدہوں سے رستوں پر حرف حرف بکھرے ہیں
منزلوں کے سانپوں پر لفظ کا سپیرا ہے

آپ بھی نہیں آتے موت بھی نہیں آتی
زیست کے بکھیڑوں نے ہر طرف سے گھیرا ہے

شام کی سیاہی میں لال چاند اترا ہے
اس کی قہر آنکھوں میں خوف کا پھریرا ہے

تو بھی دیکھ سکتا ہے میں بھی دیکھ سکتی ہوں
یہ جہاں ہے خوابوں کا یہ ترا نہ میرا ہے

ہر طرف بکھیرے ہیں رنگ تیری صورت نے
ہر طرف سے آنکھوں کو منظروں نے گھیرا ہے

لوٹ کر نہ آ جائیں پھر تمھاری بستی میں
ذات کے مسافر ہیں جوگیوں سا پھیرا ہے

ہانڈیوں میں پکنے کو پانیوں میں پتھر ہیں
لکڑیوں کے بالن میں دھند کا بسیرا ہے

تمھیں سنانا نہ بھول جاؤں
میں یہ فسانہ نہ بھول جاؤں

فریب دو مجھ کو کوئی تازہ
فریب کھانا نہ بھول جاؤں

ذرا محبت کا گیت چھیڑو
میں گنگنانا نہ بھول جاؤں

لگاؤ پھر سے جگر پہ گھاؤ
میں زخم کھانا نہ بھول جاؤں

رہِ تعلق بحال رکھو
کہ لوٹ آنا نہ بھول جاؤں

کرو مری راہ میں اندھیرا
دیا جلانا نہ بھول جاؤں

تمھاری گلیوں میں ہجر زادے
میں آنا جانا نہ بھول جاؤں

خوشی کی عادت نہ مجھ کو ڈالو
میں دکھ اُٹھانا نہ بھول جاؤں

سخن مرا ہے مرا حوالہ
قلم اٹھانا نہ بھول جاؤں

خود کو اس سے رہا کریں کیسے
زندگی کا گلہ کریں کیسے

زور چلتا نہیں کوئی اس پر
ہم یہ صرصر صبا کریں کیسے

نام تیرا لبوں سے چپکا ہے
اپنی خاطر دعا کریں کیسے

اپنی عادت تو ہے وفاؤں کی
ہم کسی سے جفا کریں کیسے

جسم جلتا ہے ریت کی مانند
نرم بادل عبا کریں کیسے

سبز پتوں نے جل کے پوچھا ہے
گل سے خوشبو رہا کریں کیسے

مل رہی ہیں معافیاں سب کو
اب خطا کو سزا کریں کیسے

اس نے آنکھوں میں دھول جھونکی ہے
اپنی آنکھیں دیا کریں کیسے

دل میں رہتا ہے وہ لہو بن کر
دل سے اس کو جدا کریں کیسے

یاد ماضی کرا دیا اُس نے
کیا ستم مجھ پہ ڈھا دیا اُس نے

وقت پیچھے کو مڑ نہیں سکتا
خود کو مڑنا سکھا دیا اُس نے

مجھ کو تقسیم کرکے دیکھا تو
اپنا حصہ گنوا دیا اُس نے

مجھ کو عادت سی پڑگئی اُس کی
مجھ کو عادی بنا دیا اُس نے

ڈر لگے نہ مجھے اندھیرے سے
روشنی سا بنا دیا اُس نے

گِر نہ جاؤں میں تھک کے راہوں میں
ہاتھ اپنا تھما دیا اُس نے

ایک جگنو سے ماہتاب ہوئی
کیا تھی میں کیا بنا دیا اُس نے

خواب ٹوٹا ہے اک چھناکے سے
نیند سے پھر جگا دیا اُس نے

میں نے مانگے تھے شاخ سے پتے
گل لبادہ بنا دیا اُس نے

خواب مانگے تھے چند آنکھوں نے
اک تماشہ لگا دیا اُس نے

ایک لمحہ تھا زیست سے بھاری
وہی لمحہ گنوا دیا اُس نے

آ گیا تھا رقیب محفل میں
اور مجھ کو بجھا دیا اُس نے

پریم کے گھر وفا کے رستے کو
تم بھی دیکھا کرو گے پیچھے کو

ایک امید پر حیاتی ہے
تھام رکھا ہے اک عریضے کو

اشک پلکوں پہ آ کے بیٹھے ہیں
ابر تیار ہے برسنے کو

آپ بہرے کو دے رہے ہیں صدا
آپ دِکھلا رہے ہیں اندھے کو

جانے کیا راز ہے درونِ وجود
یونہی سرکایئے نہ پردے کو

زیست گزری ہے راستے میں ثمن
دل مچلتا ہے گھر پہنچنے کو

جو میں تھی میں اس کے سوا بنی
کسی راہبر کی ندا بنی

جو دیا جنم تو میں کیا بنی
میں فلک کا بھی حوصلہ بنی

وہ دعا جو پوری نہ ہو سکی
وہ دعا ہی وجہِ دعا بنی

جسے کل اندھیرا ڈبو گیا
وہی آج جلتا دیا بنی

وہ جو بے بسی کی صدا تھی اک
وہی بے کسوں کی صدا بنی

میں خزاں سے ایسے الجھ پڑی
مری زندگی ہی ہوا بنی

مرے ہاتھ سے چھٹا ہاتھ جو
میں گری نہیں میں عصا بنی

جسے وقت نے کیا برہنہ
وہ ہر ایک تن کی ردا بنی

مجھے زندگی پہ غرور تھا
سو میں زندگی کی ندا بنی

میری موت تیری حیات تھی
سو میں زندگی کی حِنا بنی

میرے سر پہ تاجِ غرور ہے
میرا حسن میری ادا بنی

تو نے سر پہ ڈالی ردا مرے
تیری لاج میری حیا بنی

میرا درد دیکھا جس آنکھ نے
وہی آنکھ وجہِ شفا بنی

تیری شاخ گل ہے ہری بھری
تیرے واسطے میں صبا بنی

مجھے دیکھنا ہے یہ معجزہ
میں مریض تھی، میں دوا بنی

میری زندگی میں سحر نہ تھی
سو میں زندگی کی عشاء بنی

روشنی سے نبھا نہیں سکتے
اپنے گھر کو جلا نہیں سکتے

ہو گئے ہیں بڑے تو یہ دکھ ہے
خود کو بچہ بنا نہیں سکتے

اپنے شانے ہیں بوجھ سے چھلنی
غم تمھارے اُٹھا نہیں سکتے

تم کو بھی آگ سے بچانا ہے
صرف خود کو بچا نہیں سکتے

لوٹ کر آ کسی بہانے سے
عمر سے اب نبھا نہیں سکتے

ہم نے سب آزما کے چھوڑے ہیں
تم کو اب آزما نہیں سکتے

زندگی تیرا ساتھ مانگتی ہے
تنہا کشتی چلا نہیں سکتے

زندگی تیرے ساز کیا چھیڑیں
ہم تجھے گنگنا نہیں سکتے

سوچ کی سرحدیں طویل سہی
دل پہ سرحد بنا نہیں سکتے

جو بھی سونپے ہے شاخ نے تم کو
گل وہ تم سے چرا نہیں سکتے

سب اجالے سمیٹ لاؤ تم
پھر بھی شب کو مٹا نہیں سکتے

دل کا احساس کہہ نہیں سکتے
ہم تجھے خاص کہہ نہیں سکتے

تو اگر مل بھی جائے قسمت سے
آئے گا راس کہہ نہیں سکتے

تیرے وعدے پہ اعتبار مگر
ہم اسے آس کہہ نہیں سکتے

یہ جو نکہت ہے چار سو میرے
ہے تری باس کہہ نہیں سکتے

دور سے سبز سبز دکھتا ہے
کائی ہے گھاس کہہ نہیں سکتے

شاخِ امید کو کسی صورت
شاخِ وسواس کہہ نہیں سکتے

جو شمن آس پاس دکھتا ہے
اس کو بھی پاس کہہ نہیں سکتے

جو شخص میرے دل سے جدا ہی نہیں ہوا
وہ جا چکا ہے صرف خفا ہی نہیں ہوا

جو نفی کر سکے نہ کبھی اپنی ذات کی
اس سے یہ کارِ عشق ادا ہی نہیں ہوا

لہروں سے لڑ کے ڈوبنے والے کو تھام لوں
یہ حوصلہ تو مجھ کو عطا ہی نہیں ہوا

میں ہاتھ دے کے چلتی ہواؤں کو روک لوں
ہمت تو ہے پہ ساتھ خدا ہی نہیں ہوا

سینے کے پیچ اترے ہیں سب تیر طنز کے
تجھ سے کبھی نشانہ خطا ہی نہیں ہوا

رکھا ہے اس نے بار ہا سینے کو تھام کر
یہ ہاتھ صرف دستِ دعا ہی نہیں ہوا

محسوس کر نہ پائے گا تو شدتِ فراق
تجھ کو کبھی یہ درد عطا ہی نہیں ہوا

سجدے کیے ہیں اس کی طلب میں بہت ثمن
لیکن وہ شخص مجھ سے ادا ہی نہیں ہوا

ہر کسی سے فریب کھاتے ہیں
پھر بھی ہر گام مسکراتے ہیں

دیکھتے ہیں تمھاری آنکھوں کو
اور کچھ لوگ ڈوب جاتے ہیں

عشق کی رہگزر ہے اس پہ حضور
اچھے اچھے بھی ڈگمگاتے ہیں

خرچ ہوتے ہیں راہِ الفت میں
ہم محبت میں کام آتے ہیں

در حقیقت وہ خود ہی الو ہیں
وہ جو الو ہمیں بناتے ہیں

موت کی نیند سونے والے لوگ
ایک آہٹ پہ جاگ جاتے ہیں

ہار جاتے ہیں صاحبانِ خلوص
اور مکار جیت جاتے ہیں

کتنی سفاکیت ہے لوگوں میں
ظلم کرتے ہیں، دندناتے ہیں

آج کل رہبری کے دعویدار
راستے سے ہی لوٹ جاتے ہیں

ڈر ہے کہ ترا ساتھ کہیں چھوٹ نہ جائے
دل کانچ کا ٹکڑا ہے کہیں ٹوٹ نہ جائے

وہ سوکھ نہ جائے کہ تمنا کا شجر ہے
وہ آس کی ٹہنی ہے کہیں ٹوٹ نہ جائے

اب دل سے یہ طوفان سنبھالا نہیں جاتا
آنکھوں سے یہ سیلاب کہیں پھوٹ نہ جائے

اک ساتھ کہ احساس کی ڈوری سے بندھا ہے
احساس کی ڈوری ہی کہیں چھوٹ نہ جائے

جو جان سے پیارا ہے، جو ہے دل کا سہارا
اک خوف سا رہتا ہے کہیں روٹھ نہ جائے

اک کمی رہ گئی اک خلا رہ گیا
اور یادوں کا اک سلسلہ رہ گیا

مورنی کو اُٹھا کر شکاری گئے
مور جنگل میں خود ناچتا رہ گیا

کیچوا اس کو چھپ کر لگا دیکھنے
سانپ اپنی ہی دُم کاٹتا رہ گیا

میں نے بدلے میں مانگی جو تھوڑی وفا
دیکھتا وہ مجھے بے وفا رہ گیا

ایک جھٹکے میں عمرِ رواں رُک گئی
موت کو میں یونہی ٹالتا رہ گیا

کھوٹے سکوں کے بدلے ہنر بیچ کر
حکمِ سرکار وہ مانتا رہ گیا

سبز پتوں کی پوشاک ہنسنے لگی
اور وہ اپنا بدن ڈھانپتا رہ گیا

راہزن رہبر میں بدل کر ملا
اور جنگل میں اک قافلہ رہ گیا

حسن کردار میں میں نمایاں ہوئی
اور وہ دامن مرا داغتا رہ گیا

ماں نے بگڑی ہوئی بات کو گانٹھ دی
باپ بیٹے کو بس ڈانٹتا رہ گیا

انگلیوں نے دعائیں سبھی تھام لیں
سکے پانی میں وہ ڈالتا رہ گیا

مجھ کو لاٹھی تھما کر وہ چلتا بنا
ہاتھ میرا مگر کانپتا رہ گیا

صبح دم سب ستارے کہیں چھپ گئے
ایک سورج کہ بس جاگتا رہ گیا

ترے ہر دکھ کو سہنے کی مری عادت پرانی ہے
تری آنکھوں سے بہنے کی مری عادت پرانی ہے

ترے شانوں پہ آنکھیں میچ کر سر اپنا رکھتی ہوں
تری بانہوں میں رہنے کی مری عادت پرانی ہے

مری نظمیں، مری غزلیں مرے بستر پہ سوتی ہیں
تھکن لفظوں کی سہنے کی مری عادت پرانی ہے

میں اپنی ذات کے اندر بھی کوئی ذات رکھتی ہوں
اسے ہر بات کہنے کی مری عادت پرانی ہے

میں اپنی جیت کو تم پر مسلط کس طرح کر لوں
کہ تجھ سے مات سہنے کی مری عادت پرانی ہے

خزاں کی شاخ کا پتہ بڑے ہی درد سے بولا
شجر کا ہجر سہنے کی مری عادت پرانی ہے

جس میں نازل ہوئی تھی وحی عاشقو
سو یہ غارِ حرا ہے وہی عاشقو

غار پتھر کا اک قیمتی ہو گیا
کان ہیرے کی سستی ہوئی عاشقو

گھپ اندھیرے میں اک روشنی سی ہوئی
آگ پتھر میں ایسی لگی عاشقو

جس میں مانگی تھی اس نے اماں دو گھڑی
وہ گھڑی پورا قرآں بنی عاشقو

آسماں جھک گیا احتراماً کہیں
کس کو سجدے کی عادت پڑی عاشقو

بت کدے ساری دنیا کے ہلنے لگے
کپکپی ان کو ایسی لگی عاشقو

وہ پیمبر ہے اُس کی تو کیا بات ہے
اُس کا ہر لفظ ہے زندگی عاشقو

اپنی آغوش میں اُس نے احمد لیا
ایک پتھر میں ممتا بھری عاشقو

من کی پت جھڑ چھپائے پھرتے ہیں
گل سے چہرے سجائے پھرتے ہیں

کوئی کاٹے نہ ان کو بازو سے
ہاتھ منہ میں دبائے پھرتے ہیں

ہاتھ جائیں نہ ِگر دعاؤں سے
ان میں آہیں اُٹھائے پھرتے ہیں

کوئی آئے انھیں منانے کو
اپنی صورت بنائے پھرتے ہیں

خود فریبی نے مار ڈالا ہے
آئینوں کو اُٹھائے پھرتے ہیں

کس کے ہاتھوں میں آ گئی ماچس
اپنے گھر کو جلائے پھرتے ہیں

کس کی آہیں سنی فرشتوں نے
عرش سارا ہلائے پھرتے ہیں

میری جانب سے لڑتا جاتا ہے
وہ مجھے زیر کرتا جاتا ہے

بجھتا جاتا ہے اک چراغ مگر
روشنی تیز کرتا جاتا ہے

جہاں منزل کا دم نکلتا ہے
وہ وہیں پاؤں دھرتا جاتا ہے

دائرہ تیرگی کا مرکز ہے
روشنی تیز کرتا جاتا ہے

کس نے اس کا کھلونا چھینا ہے
ایک بچہ بلکتا جاتا ہے

عکس دیکھا ہے کس کا پانی نے
سارا دریا سلگتا جاتا ہے

ابھی پت جھڑ میں دیر ہے لیکن
رنگ گل کا اُترتا جاتا ہے

قافلہ رُک گیا ہے آنکھوں میں
اشک تنہا نکلتا جاتا ہے

کس نے پھینکی ہے کنکری اس میں
سارا دریا اُچھلتا جاتا ہے

چاند رکھا ہے کس نے ہونٹوں پر
نشہ شب کا بگڑتا جاتا ہے

ایک منظر گرا ہے نظروں سے
ایک منظر اُبھرتا جاتا ہے

حصہ نظم

دھماکے

دھماکے کون کرتا ہے
وہ جن کا ملک ہوتا ہے
یہ ان کی ذمے داری ہے
دھما کے کون کرتا ہے
یہ خودکش کون ہوتے ہیں

کہاں سے چل کے آتے ہیں
یہ ایک فکر مسلسل ہے
یہ ہے سوچوں سے پُر لمحہ
جو بچے بے کفن سوئے

انھیں کس نے سلایا ہے
انھیں اک عمر جینا تھا
انھیں تو شیر بننا تھا
بھلا مجرم تھے وہ کس کے

گنہ ان سے ہوا کیا تھا
یہ پرچم کو ہوا کیا ہے
یہ کس نے اس کو چیرا ہے
لہو اس کو دیا کس نے

لہو یہ اس کا اپنا تھا
وہ جس کا خون بہتا ہے
لہو وہ خود نہیں کرتا
بھلے پھانسی کا پھندا ہو

یہ خوں کوئی اور کرتا ہے
وہ خوں ہو روح یا تن کا
وہ جن کا ملک ہوتا ہے
یہ ان کی ذمہ داری ہے

یہ پرچم بھی انھیں کا ہے
یہ بچے بھی انھیں کے ہیں
انھیں کو سوچنا ہوگا
دھماکے کون کرتا ہے

بارود

اگر ماں سے لپٹ جائے
تو بچہ رونے لگتا ہے
وہی ماں پیار کرتی ہے
تو بچہ سونے لگتا ہے

جنھیں پیسہ کمانا ہے
جھجک آتی نہیں اُن کو
کسی بھی ماں کے پہلو میں
کوئی سوراخ کرنے میں

کسی بھی چلتی گاڑی میں
ذرا بارود بھر نے میں
بھلے چاہے مرے کوئی
یا تو پھر ماں ہی مر جائے
جھجک آتی نہیں اُن کو

انہیں پیسہ کمانا ہے
کسی کا خون کرنے سے
کسی کو خون کرنے سے

کسی کا خون بنتا ہے
انہیں یہ خوں بنانا ہے
انہیں سوئی چبھونی ہے
انہیں سوراخ کرنا ہے

کسی بھی ماں کے پہلو میں
پڑا بچہ رُلانا ہے
ہمیشہ کے لیے اُس کو
کسی بم سے سلانا ہے
یہ کس نے کہہ دیا آ کر
انھیں یہ کام کرنے دو
انھیں بارود بھرنے دو
سبھی بچے یہ کہتے ہیں
کہ اُس واعظ کو مرنے دو

مرے دل میں قبوچہ ہے

پرانا زخم تازہ ہے
نئی اُمید زندہ ہے
مگر دل میں قبوچہ ہے
اٹھارہ سال کا بچہ
وہ کیا پتھر کا ہوتا ہے
غلط جو کر نہیں سکتا
اگر آندھی ہو زوروں پر
تو پتھر بھی تو گرتا ہے
جگہ اپنی بدلتا ہے
اٹھارہ سال کا بچہ
جو خالی ہاتھ رکھتا ہے
اسے کس نے دیا خنجر
تو اصلی کون مجرم ہے
وہ جو خنجر کا مالک ہے

یا جس نے بے سبب آ کر
اسے غصہ دلایا ہے
کسی معصوم بچے سے
اسے مجرم بنایا ہے
اٹھارہ سال کا بچہ
وہ بالغ ہو بھی جائے
تو غلط کچھ کر نہیں سکتا؟
اسے کس نے بتایا ہے
کہ لغزش کی سزا کیا ہے
نئی تاریخ میں لکھا
پرانا واقعہ کیا ہے
پرانا زخم تازہ ہے
نئی امید زندہ ہے

* قبوچہ: گہرا زخم

تکیہ

بلا کی سخت گرمی ہے
مگر بستر میں سردی ہے
ترا تکیہ گلابی ہے
مگر تجھ سے وہ خالی ہے
مجھے تو یاد آتی ہے
سلوشی تو کہاں پر ہے

ترے مکتب کا وہ بستہ
ابھی کنڈی پہ لٹکا ہے
جہاں تیری کتابیں ہیں
جہاں تیری وہ کاپی ہے
کہ جس میں تیری شوخی ہے
جہاں تیری ڈرائنگ ہے
سلوشی تو کہاں پر ہے

سلوشی تو جہاں پر ہے
وہاں میں نے بھی آنا ہے
مرا بستر بچھا رکھنا
مرا تکیہ لگا رکھنا
ترا تکیہ میں لاؤنگی
ترا بستہ میں لاؤنگی

پلوشی

جہاں نیت میں پرشی ہو
وہاں دو تن مبارک ہیں
وہاں جذبے ہیں پاکیزہ
تعلق نیک ہے اُن میں
گواہی ہے فرشتوں کی
جو نیت ساتھ لکھتے ہیں
لکھا ہے ان فرشتوں نے
جہاں پر نیک قربت ہو
لکھا سب کچھ اچانک ہو
وہاں لمحات ہنستے ہیں
وہاں جذبات ہنستے ہیں
وہاں پر بے دھیانی میں
پلوشی دھم سے آتی ہے
وہ ہنس کر سب سے کہتی ہے
تمھاری جن پہ تہمت ہے

وہ ہیں ماں باپ بس میرے
ملن اُن کا فرشتوں نے
مری خاطر ہی لکھا تھا
مجھے ان خالی ہاتھوں میں
تم اُن کے ہاتھ لینے دو
مجھے تم سانس لینے دو
فرشتوں کے جو ذمے ہیں
خطائیں ساری لکھنے دو

پرشی: نیکی، سچائی

بدن

نہ یہ کوئی چھلاوہ ہے
بدن من کے علاوہ ہے
سبھی سانسوں کو مٹنا ہے
بدن مٹی میں ملنا ہے
زباں حصہ بدن کا ہے
کہا ہے اُس نے جو کچھ بھی
اُسے تقسیم ہونا ہے
برائی میں یا نیکی میں
بدن کا ذہن ہے حصہ
جو اُس میں سوچ پلتی ہے
اسے تجسیم ہونا ہے
برائی میں یا نیکی میں
بھلے ہو ہاتھ یا انگلی
بھلے پاؤں یا ناخن ہوں

شہادت سب نے دینی ہے
قضاؤں کی خطاؤں کی
بدن کب روح کا پر ہے
یہ نیت جسم کا بر ہے
اسی سے جسم جھلسے گا
اسی سے جسم نکھرے گا
سو نیت کو بچا رکھو
ارادے بے خطا رکھو

غزہ

غزہ میں ہر طرف قحطِ غذا ہے
وہاں پر خوف و دہشت کی فضا ہے
کسی کے گھر میں جو ماتم بپا ہے
کسی کا دل ہی خود ماتم کدہ ہے
کہیں پر ماں سے بچہ چھن رہا ہے
کہیں بچے سے اُس کی ماں جدا ہے
کہیں پر باپ بیٹے سے ہے لپٹا
کہیں بیٹا یتیمی میں گھرا ہے
ہوا لے کر ردائیں آ رہی ہے
کسی بیٹی کا تن عریاں ہوا ہے
اُمنگوں سے جو گھر میں نے بسایا
وہ گھر ملبے کے نیچے آ دبا ہے
محرم یاد اپنی لے کے آیا
زمیں پر پھر وہی کرب و بلا ہے
مری تسبیح کے دانے گرے ہیں
مرے ہونٹوں پہ اک حرفِ دعا ہے

مسلمانوں پہ مولا رحم کر دے
کڑا یہ وقت ہم پر آ پڑا ہے
ہمیں تسبیح میں پھر سے پرو دے
ہر اک دانہ یہاں بکھرا ہوا ہے
وہ جو ہم کو تھا اک دوجے سے جوڑے
وہ دھاگہ خود کہیں الجھا پڑا ہے
بہت بے درد ہیں گستاخ ہیں ہم
ترے بندے ہیں لیکن تو خدا ہے
خدا بن کے جو بیٹھے ہیں سروں پر
انھیں بس یہ دکھا دے تو بڑا ہے
مری ہر اک دعا تلوار کر دے
مری دھرتی پہ اک محشر بپا ہے

ڈاکٹر عافیہ صدیقی

چمن کے پھولوں میں سب سے حسیں کلی ہے تو
خزاں کی رت میں مگر دور جا پڑی ہے تو

تمام اہلِ چمن پیار تم سے کرتے ہیں
تو فخرِ ارضِ وطن عرش کی پری ہے تو

مرے وجود میں جیسے ہو تیری روح گڑی
میں مسکراؤں تو کہتے ہیں رو رہی ہے تو

فقط دعاؤں میں میں نے تمھیں نہیں مانگا
خدا گواہ مری آنکھ سے بہی ہے تو

تمھیں یہ دشت کے رستے کا نام کس نے دیا
جو سیدھی جائے چمن کو وہی گلی ہے تو

یہ تجھ سے کہتی ہے مت پوچھ کب سے ماں تیری
یہ میری آنکھ ہے مالا تو اک لڑی ہے تو

میں تجھ کو جتنا نکالوں تو اور دھنستی ہے
نجانے کونسی دلدل میں جا پھنسی ہے تو

وہ تیرے پھول سے بچے جو تجھ سے بچھڑے ہیں
جفا کی قید میں کیا ان کو ڈھونڈتی ہے تو

یہ دوریاں ہیں مسافت کی جسم و جاں کی نہیں
میں سن رہی ہوں مری جاں جو کہہ رہی ہے تو

یہاں پہ تجھ کو بچانے نہ کوئی آئے گا
یہ کن خلاؤں میں قاسم کو ڈھونڈتی ہے تو

بہن تمھاری کے دُکھ کی کتھا لکھوں کیسے
لہو کی بوند سی اُس سے ٹپک رہی ہے تو

نئے زمانے کے منصف کا جو بھی فیصلہ ہے
ہے میرے دل کو یقیں عافیہ کھری ہے تو

فوج کا سربراہ

اپنی ہی موج میں فوج کا سربراہ
دیس پر چاہے جاں دینے والا بنے
چاہے دشمن کا وہ ہم پیالہ بنے
گر وہ چاہے وطن اُس کی مٹھی میں ہو
چاہے دشمن کے منہ کا نوالہ بنے
گر وہ چاہے وطن کے وہ ٹوٹے کرے
چاہے ٹوٹے ہوئے دیس کو جوڑ دے
چاہے تو دیس میں امن کا خون ہو
چاہے وہ امن کا بول بالا کرے
وقت کی اوج میں فوج کا سر براہ

اونچی شاہین سے اس کی پرواز ہو
گونجتی دہر میں اس کی آواز ہو
وہ رُکے تو چٹانوں کے سر توڑ دے
وہ چلے تو ہواؤں کے رُخ موڑ دے
وہ جھکے تو زمیں پر وہ سجدے کرے

وہ بڑھے اُس کا دشمن صفیں چھوڑ دے
تیز ہو اس کی جرأت کے خنجر کی دھار
اُس کی جرأت کا دشمن نہ سہہ پائے وار
قوم کی سوچ میں فوج کا سربراہ

ہر سپاہی کی ہی اس سے تشکیل ہو
ان کے ہر خواب کی اس سے تکمیل ہو
وہ ردا بیٹیوں کے سروں کی بنے
وہ جو نیت کرے اس کی تعمیل ہو
اُس کی دشمن پہ ایسے نگاہیں رہیں
اُن کے سارے ارادوں کی تذلیل ہو
وہ دعاؤں میں اک حرفِ روشن بنے
اک اجالا ہو وہ ایک قندیل ہو

پرندہ اور دینو

اتنے بڑے سے گھر کے
چھوٹے سے گھونسلے میں
رہتا تھا اک پرندہ
تھا نام جس کا پیچو
اتنے بڑے سے گھر کی
چھوٹی سی کوٹھڑی میں
رہتا تھا ایک بابا
تھا نام جس کا دینو
جو گھر کی مالکن تھی
کرتی تھی روز بک بک
سنتا تھا اس کو بابا
کہتا تھا کچھ نہ منہ سے
بس دیکھتا تھا اوپر
کچھ مانگتا تھا رب سے
اک روز بولا پیچو
اے پیارے بابا دینو

کیا تیرا مسئلہ ہے
کیا اُس کا مسئلہ ہے
دینو یہ بات سن کر
کچھ دیر مسکرایا
دل پر لگی تھی اُس کو
آنسو نہ روک پایا
کہنے لگا یہ اُس سے
کیا کہوں میں تجھ سے
اے میرے ننھے پیچو
اک میرا تھا گھرانہ
اس میں تھی میری بیوی
اس میں تھا میرا بابا
بیوی کا کیا کہوں میں
کرتی تھی روز بک بک
سنتا تھا میرا بابا
کہتا تھا کچھ نہ اُس سے
کہتا تھا بس یہ مجھ سے

چپ اس کو تم کراؤ
کمزور ہوں میں بوڑھا

مجھ کو نہ یوں ستاؤ
بے بس بے آسرا ہوں
روٹی مجھے کھلاؤ
بابے سے میں یہ بولا
میری تو ہے وہ بیوی
مجھ کو ہے اُس سے مطلب
یہ تیرا مسئلہ ہے
یہ اُس کا مسئلہ ہے
کچھ بولا پھر نہ بابا
کرنے لگا وہ تسبیح
ڈرنے لگا وہ رب سے
روتا تھا کانپتا تھا
بابا تو چل بسا
بیوی کا پھر نہ پوچھو

بیٹا بنا نہ ماں کا
چپکے سے کر لی شادی
یہ دکھ نہ سہہ سکی وہ
اک روز چل بسی وہ
بیگم سے ہے وہ راضی

کرتی وہ جو بک بک
آتی ہے یاد بیوی
آتا ہے یاد بابا
اے میرے ننھی پیچو
یہ میرا مسئلہ ہے
یہ سارا مسئلہ ہے
گر میں گزر گیا تو
تم مت مجھے بھلانا
بیٹے سے جو چھپایا
پوتے کو تم بتانا
میرا نہ نام لینا

بس داستاں سنانا
دینوتو مر گیا ہے
لیکن یہ ننھا پچھو
اک پیڑ پر بیٹھا
گاتا ہے گیت اُس کا
کہتا ہے وہ کہانی
اُس کی ذرا سنو تم
ٹھہرو ذرا رکو تم

وطن

فلک کا رنگ نیلا ہے
کہیں پیلا نہ پڑ جائے
زمیں کا سانس پھولا ہے
کہیں ڈھیلا نہ پڑ جائے
وطن آواز دیتا ہے
اسے سننا ضروری ہے
نہ اس کا سینہ پھٹ جائے
سدا قائم یہ رہنا ہے
قیامت سے بہت پہلے
یہاں منظر قیامت کا
یہاں پر وقت کے ہاتھوں
جنازہ ہے صداقت کا

فقط ہے ظلم کی بستی
اکھاڑہ یہ سیاست کا

لہو کے رنگ میں ڈوبا
خدا کا گھر عبادت کا
جفا کے داغ ہیں اس پر
اسے دھلنا ضروری ہے
دھماکہ ایک ہوتا ہے
بہت سے گھر اجڑتے ہیں
لہو دھرتی پہ گرتا ہے
گلوں کے دل نچڑتے ہیں
زمیں پر قبر کھلتی ہے
فلک کے در سکڑتے ہیں
جنھیں چننا تھا پھولوں کو
وہ اب شعلوں کو چنتے ہیں
فلک کا رنگ نیلا ہے
کہیں پیلا نہ پڑ جائے
یہ تیرے ہاتھ کا نیزہ
ترے دل میں نہ گڑ جائے

بہاریں موڑ کر لاؤ
چمن میں پھول کھلنے دو
شفا کا ہاتھ بن جاؤ
دلوں کے زخم سلنے دو
اٹھاؤ سوچ سے پہرے
سلے یہ ہونٹ ہلنے دو
وطن ہم سے نہ چھن جائے
وطن سے ہم کو ملنے دو

شمائلہ کی خودسوزی

بلا کی دھوپ ہے سر پر
زمیں پر ریت جلتی ہے
گری ہے لاش شوہر کی
دکھی بیوہ تڑپتی ہے
وہیں خود سوزی ہوتی ہے
جہاں امید مرتی ہے
امیدیں مارنے والو
اُٹھا کر سر ذرا دیکھو
فلک پر دھوپ اب بھی ہے
مگر آندھی بھی چلتی ہے
کسی بیوہ کے زخموں سے
خلا میں آگ جلتی ہے

تپش آلود سب کرنیں
اسی آیت کو پڑھتی ہیں
اذیت دینے والوں سے
کبھی دِیَت نہیں لیتے
جہاں سفاک مجرم ہوں
وہاں بخشش نہیں دیتے
تو کیا تم یہ سمجھتے ہو
جہاں پر خون بکھرا ہے
وہاں پر گل اگاؤ گے
کسی کو زخم دے کر تم
ہمیشہ مسکراؤ گے
نہیں ایسا نہیں ہوگا
جہاں پر خون بکھرا ہے
وہاں سے آگ نکلے گی
جہاں بیوہ مری ہے اک
وہاں انصاف بکھرے گا

جنھوں نے خون بخشا ہے
انھیں کا خوں بہا ہوگا
اگر یہ پل تمھارا ہے
تو سارا کل ہمارا ہے
نہ دِیَت کام آئے گی
نہ بخشش کام آئے گی
زمانہ دن وہ دیکھے گا
کہ ایک بیوہ کی خود سوزی
حنا کے رنگ میں ڈھل کر
سبھی ہاتھوں پہ آئے گی
کنوارہ ظلم توڑے گی
زمیں تربت بنائے گی
تمھیں کانٹے چبھوئے گی
تو سب کو گل تھمائے گی

خواب

سبھی خوابوں کی آنکھیں ہیں
وہ آنکھیں خواب بنتی ہیں

سبھی خوابوں کے سپنے ہیں
وہ سپنے ٹوٹ سکتے ہیں

وہ آنکھیں دیکھ سکتی ہیں
جہاں ہے درد آنسو ہیں

وہ آنسو ٹوٹ سکتا ہے
ندی میں ڈوب سکتا ہے

ندی کے دو کنارے ہیں
وہ دونوں ٹوٹ سکتے

وہ خوابوں میں پڑی
آنکھوں کو آ کر لوٹ سکتے ہیں

دعویٰ

میں ہوں اک موم کی گڑیا
مجھے پتھر نہیں بننا
مرا سینہ سلامت ہے
جو بے حد شور کرتا ہے
مری آنکھیں سلامت ہیں
جہاں یہ شعلے جلتے ہیں
تری ہر ایک سرگوشی
سماعت میری سنتی ہے
جو تیرے پاس جادو ہے
وہ مجھ پر چل نہیں سکتا
پگھلتی سی یہ شمع ہے
تو پتھر کر نہیں سکتا

ترازو

فقط دو ہی تو پلڑے ہیں
ترازو چاہے کوئی ہو
اٹھائیں وزن دونوں ہی
ہر اک پلڑے کی لڑیاں ہیں
وہ لڑیاں ٹوٹ جائیں تو
ترازو ٹوٹ سکتا ہے
زیادہ بوجھ مت ڈالو
ترازو کے دو پلڑوں پر
اگر لڑیاں بچانی ہیں
اگر کچھ کام لینا ہے
پرانے اک ترازو سے

محشر کا بچھونا

فلک کالا جو ہوتا ہے
تو تارے جگمگاتے ہیں
وہ اپنی جا پہ ساکن ہیں
کبھی حرکت نہیں کرتے
مگر وہ ٹوٹ سکتے ہیں
فلک کے نرم ہاتھوں سے
وہ گر کر چھوٹ سکتے ہیں
کسی دن یہ تو ہونا ہے
زمیں جتنی بھی ہے تیری
وہ محشر کا بچھونا ہے
یہ تارے ٹوٹ سکتے ہیں
یہ تارے ٹوٹ جائیں گے

دعا

دعا کے بن نکمی ہیں
مرے ہاتھوں کی ریکھائیں
انہیں تبدیل ہونا ہے
کسی کے ہونٹ ہلنے ہیں
انہیں ہلتا نہیں آتا
دعائیں سب ادھوری ہیں
یہ ریکھائیں نکمی ہیں

چاقو

کسی کمزور لمحے کا
تمھیں قیدی بنانا تھا

تمھارے پیٹ کے اندر
مجھے چاقو گھسانا تھا

سزا سے بچنے کی خاطر
کہیں پھر بھاگ جانا تھا

سزا تو ملنی تھی آخر
مجھے تو جیل جانا تھا

مجھے کوئی کاش سمجھاتا
کسی کمزور لمحے میں

جو خنجر تیز ہوتا ہے
وہ لمحہ جیل ہوتا ہے

بُرج

میں خبریں روز پڑھتی ہوں
ستارے میں لکھا جو ہے
کبھی وہ ہو ہی جاتا ہے
کبھی خالی بھروسہ ہے
مجھے برجوں سے ملنا ہے
مرا کیا ان سے رشتہ ہے

وہ میرے رہنما کیوں ہیں
بھروسہ کر کے میں ان پر
بھلا کچھ کر بھی پاؤں گی!
کوئی مجھ سے یہ کہتا ہے
ذرا برجوں سے یہ پوچھو
کچھ اپنی بھی خبر لاؤ
قیامت کب بھلا ہوگی
ستارے کب یہ ٹوٹیں گے
مجھے آ کر بتا جاؤ

پتہ اپنا نہیں تم کو
تو میری کیا خبر دو گے
میں اب خبریں نہیں پڑھتی
یہ سارے برج جھوٹے ہیں

تتلی

یہ جتنے گھر بھی خالی ہیں
وہاں مکڑی کے جالے ہیں
جہاں تتلی نہیں آتی
وہ بس دیوار کا دُکھ ہیں
یہی مکڑی کا جالا گر
کسی کی سوچ میں آئے
تو وہ اُس آنکھ کا دُکھ ہے
جہاں تتلی نہیں آتی
جو اپنا جالا بنتی ہے
جو سب رنگوں سے خالی ہے
اگر تتلی پکڑنی ہے
تو جالا کاٹنا ہوگا
جو گھر آباد کرنے ہیں
تو تالا کاٹنا ہوگا

مرغی کے دڑبے

یہ گھر مرغی کے دڑبے ہیں
یہاں پھیلا تعفن ہے
قصائی ہی نہیں کوئی
وہ جو مالک ہیں دڑبے کے
وہ سب ہیں افسر اعلیٰ
صفائی ہی نہیں کوئی
یہاں ہیں مرغیاں جتنی
وہ یا انڈوں پہ بیٹھی ہیں
یا انڈے روز دیتی ہیں
وہ جو ہیں افسر اعلیٰ
وہ انڈے سب اُٹھاتے ہیں
وہ بچے لے کے جاتے ہیں
وہ خود محلوں میں رہتے ہیں
جہاں ہر سو صفائی ہے

جہاں خوشبو کے ڈیرے ہیں
یہ گھر مرغی کے دڑبے ہیں
یہاں بس بھوک پلتی ہے
یہ سب مزدور طبقہ ہیں

خزاں

سبھی پیڑوں پہ زردی ہے
خزاں کی شاخ ننگی ہے
ہوائیں رُک کے چلتی ہیں

عجب ہے حبس کا عالم
بہاروں کے اجڑنے پر
قدم پیچھے کو مڑتے ہیں
یہ آگے بڑھ نہیں پاتے
چمن میں رُک نہیں پاتے

نہ ہی ہے رقص تتلی کا
نہ ہی بلبل کے نغمے ہیں
ہرے سبزے کی آنکھوں میں
سمندر کی ہے نیلاہٹ
یہ آنسو کون پونچھے گا
خزاں کی شاخ ننگی ہے

وہاں گل کون کاڑھے گا
بہاریں کون موڑے گا
تمھیں یہ سوچنا ہوگا
خزاں کو روکنا ہوگا
خزاں کی سوکھی شاخوں کو
گل و بُو سونپنا ہوگا

وطن کی بیٹی

میں بیٹی ہوں وطن کی پر کئی بیٹوں پہ بھاری ہوں
یہ چوڑی ہاتھ کی، بندوق کی اک ایسی گولی ہے
جو دشمن کو کبھی بھی پیٹھ پہ جا کر نہیں لگتی
پر اس کا دل پکڑتی ہے
مرے ہاتھوں کی مہندی میں یہ جو لالی سی ابھری ہے
شہادت کے لہو میں ڈوب مرنے کی یہ خواہش ہے
جو میری آرزو بن کر مرے ہاتھوں پہ بکھری ہے
میں آٹا گوندھنے کے بعد جب روٹی پکاتی ہوں
تو اُس کو یوں چباتی ہوں
کہ جیسے شیر اپنی گھات میں بیٹھے ہوئے دشمن
کا کچا گوشت کھاتا ہے
میں اپنے گھر کے ہر جانب ہی جب جھاڑو لگاتی ہوں
تو ایسے مسکراتی ہوں
کہ جیسے جنگ کے میدان میں کوئی فتح کی صورت
کمانڈو دشمنوں کے ادھ کٹے جسموں پر اپنے پاؤں رکھتا ہے
میں جب بچوں کو اپنے، رات میں لوری سناتی ہوں

تو اُن کو یہ بتاتی ہوں
وطن تم سے لہو مانگے
تو تم دشمن کے سینے پر اک ایسا داغ مل جانا
کہ وہ ارضِ وطن کی سمت جب بھی دیکھے تو روئے
اور اپنا چین سُکھ کھوئے
میں جب اپنے پیا کے پاؤں بستر میں دباتی ہوں
تو اُس کو یہ بتاتی ہوں
اگر وہ وقت آ جائے
کہ دشمن کی کوئی گولی تمھارا راستہ دیکھے
تمھارے نام کی گولی میں اس سینے پہ کھاؤں گی
تو بس جنت میں جاؤں گی
تمھاری راہ دیکھوں گی
وہاں سجدے بچھاؤں گی
مجھے مایوس مت کرنا
کبھی بھی خود کو اپنے ملک کا جاسوس مت کرنا
میں بیٹی ہوں وطن کی اور کئی بیٹوں پر بھاری ہوں
ذرا یہ سوچ لینا تم
ذرا یہ سوچ لینا تم

خواب

رب سے وعدہ جو کر کے آئی تھی
جانے کس نے بھلا دیا مجھ کو
میں تو جاگی تھی نیند سے گہری
جانے کس نے سلا دیا مجھ کو
میری آنکھوں میں رنگ گہرے تھے
جانے کس نے مٹا دیا اُن کو
اب وہ وعدہ ہی مجھ کو یاد نہیں
رنگ سارے میں بھول بیٹھی ہوں
زندگی کو ادھیڑ بیٹھی ہوں
رب کہاں ہے میں کھوجتی ہوں اُسے
اپنے لفظوں میں سوچتی ہوں اُسے
مجھ کو وعدہ وہ ڈھونڈنا ہوگا
سارے رنگوں کو کھوجنا ہوگا
رنگ اپنا مجھے چرانا ہے
بھولا وعدہ مجھے نبھانا ہے

کتے

اٹھا کے مجھے سو گئے پھر سے کتے
یہ کسی نیند میں کھو گئے پھر سے کتے
بتائے کوئی کس یہ غم کی دوا ہیں
زمانے کے غم اُن کے غم سے سوا ہیں
کوئی اُن کو جینا سکھاتا نہیں ہے
کوئی راہ پر اُن کو لاتا نہیں ہے
مری بات سن کے بڑھی بے قراری
تو کتے نے آ کے مجھے ٹانگ ماری
کبھی تم نے دیکھا ہمیں خون کرتے
تو اس کا سبب بھی ہیں انسان بنتے
بشر ہو اگر بندی بن کے دکھاؤ
ہے جرأت مری طرح سے غل مچاؤ

کبھی اُس جگہ جا کے ہم کو بھی دیکھو
جہاں آدمی کا نہ کوئی گزر ہو

یہ لڑنا جھگڑنا تمھیں سے ہے سیکھا
یہ نفرت میں پلنا تمھیں سے ہے سیکھا

وگرنہ تو گر کوئی اک ہم میں تڑپے
تو اک آگ سی سب کے سینوں میں بھڑکے
سبق آ کے لو آدمیت کا ہم سے
بھلا کوئی جانے تمھیں اچھا ہم سے
ہیں کتے مگر آدمی سے نہیں ہیں
وفا ہم میں ہے بے وفا ہم نہیں ہیں
تمھیں آدمی کا بھروسہ ہے مشکل
مگر ذات سے میری دھوکہ ہے مشکل
زباں پھر نہ تم آنا مجھ سے لڑانے
سمجھ بوجھ کر آنا تہمت لگانے
جھگڑتے ہیں پر بے مروت نہیں ہیں
ہیں کتے مگر آدمی سے نہیں ہیں

محبت فاتح عالم

زمین اور آسماں کی وسعتوں میں
غور سے دیکھو
ازل سے لکھا ہے لوح و قلم نے
تین لفظوں کو
محبت فاتح عالم

کبھی نفرت سے دیکھو تو
سمندر کی وہ سب موجیں
جو ہوتی دسترس میں تو
تمھاری پیاس بجھ جاتی
تمھارے غم میں روتی اور بل کھاتی
انھیں لہروں پر لکھا ہے
مگر تم غور سے پڑھنا
محبت فاتح عالم

افق کے اُس طرف
جلتے ہوئے سورج نے مدت سے

تمھارے راستے میں تیز جلتی دھوپ رکھی ہے
تمھارا شکوہ برحق ہے
ذرا سا سر اُٹھا کر
آسماں پر جلتے سورج کو
اگر کچھ دیر دیکھو تو
وہاں کرنوں نے لکھا ہے
سفر یہ دھوپ کا کٹ جائے
تو بادل کے ٹکڑے سے
وہ خود راہوں پہ لکھیں گی
محبت فاتح عالم

تمھاری خواب گہ میں جو سجا ہے
آئینہ اُس میں
ذرا تم خود کو دیکھو تو
حسیں ہونٹوں پہ چاہے کچھ بھی لکھا ہو
مگر ماتھے پر لکھا ہے
محبت فاتح عالم
محبت فاتح عالم

دعائیں بے اثر کب ہیں

دعائیں بے اثر سب ہیں
یہ اکثر لوگ کہتے ہیں
کوئی بچہ کہیں پر بھوک کا مارا
تڑپتا ہے
سمندر کے کنارے پر
کوئی پیاسا بلکتا ہے
کسی کے گھر کی چھت سے
پانی بستر پر ٹپکتا ہے
کسی چڑیا کا بچہ
گھونسلے میں
مرنے والا ہے
کہ باہر برف پڑتی ہے
اگر ماں بھیگ جائے گی
تو مر جانے کا خدشہ ہے
دعائیں بے اثر سب ہیں

اندھیرا روشنی مانگے
خزائیں تازگی مانگیں
یا اک مرتا ہوا بچہ
ذرا سی زندگی مانگے
دعائیں بے اثر سب ہیں
سمندر کے کنارے جب کوئی پیاسا بلکتا ہے
تو ہر ایک بوند پانی کی بڑی نادم سی ہوتی ہے
خدا سے کہنے لگتی ہے
اسے جنت کی کوثر سے پیالہ بھر کے پانی دے
کسی کے جھونپڑے کی چھت سے جب پانی برستا ہے
فرشتے آسماں پر اُس کی خاطر
اک محل کی تعمیر کرتے ہیں
کہ جس کی سب چھتوں پر
خوش نما روشن ستارے ٹمٹماتے ہیں
کوئی چڑیا کا بچہ
اپنی ماں کی بے بسی پر
موسموں کی بے حسی پر

بھوک کے مارے تڑپتا ہے
تو بادل کُھلے جاتے ہیں
خدا کو یہ بتاتے ہیں
اسے جنت میں گھر دینا
نئے تم بال و پر دینا
جو ہر موسم پہ حاوی ہوں
دعائیں بے اثر کب ہیں
دعائیں رنگ لاتی ہیں
دعائیں رنگ لائیں گی

چاند چہرہ

چاندنی آسمان کے بستر پر
کچھ کتابیں سمیٹ لائی ہے
آج کی رات اس زمیں کے لیے
اس نے تارے جگائے رکھنے ہیں
ان کتابوں کے سارے صفحوں پر
پیار کی داستانیں لکھنی ہیں
ان کے ہر حرف میں ہی خوشبو ہے
ہر ورق پنکھڑی سا لگتا ہے
ان کتابوں کا صفحہ کوئی ہو
جب بھی پلٹو بہار آتی ہے
ان کو پڑھنے میں دل فریبی ہے
سطر ہر اک قرار لاتی ہے ہر
چاندنی نے سبھی ستاروں کو
درس دے کر محبتوں والے
فرش کے خاص آدمی کے لیے
عرش پر اہتمام رکھا ہے

اک ضیافت میں کہکشاؤں نے
کر کے شاہد سبھی ستاروں کو
فرش پر اک کلام رکھا ہے
چاند چہرے کی چاندنی کے لیے
دن کا سورج نماز پڑھتا ہے
تارے اترے ہیں اس کے ہاتھوں پر
اور ماتھے پہ چاند جلتا ہے
کہکشاں نے تمام اس کا بدن
اک تجلی بنا دیا ہے اب
عرش نے اُس کو روشنی دے کر
فرش کو دن تھما دیا ہے اب
اپنا سورج گنوا دیا ہے اب
اس زمیں پر بہت اندھیرا ہے
اس کے دم سے سے مگر سویرا ہے
اُس کو تاکید ہے یہ سورج کی
جاؤ پیغام اپنا عام کرو
ان اندھیروں کا قتل عام کرو

آسماں کی دعائیں ہمرہ ہیں
فرش پر خوب اہتمام کرو
دیکھنا اب کے دن جو نکلے گا
اس کے حصے میں روشنی ہو گی
چاند چہرے کی چاندنی میں کبھی
چاند سے بڑھ کے دلکشی ہو گی

محقق

ایک محقق نے کتنی محنت سے
بعد برسوں کے اس کو لکھا تھا
شہرِ دل اُس نے جو بسایا تھا
یہ اُسی شہرِ دل کا قصہ تھا
نہ ہی نقطہ تھا کوئی دل اوپر
نہ ہی قصے میں کوئی نقطہ تھا
یہی بس اس کو حکم شاہی تھا
پیار الفت محبت و چاہت
لفظ سارے مٹا دیے اُس نے
دل محبت کا لوتھڑا تھا ایک
اس میں تارے سجا دیے اُس نے
اُس کے قصے میں صرف نقطے تھے
جو ہر اک لفظ سے ہی خالی تھے

منصور آفاق کی سالگرہ

تو ہی تنہا نہیں ہے اے منصور
سب نے تیری منائی سالگرہ

اس نے بھی گھر میں کیک کاٹا ہے
جس نے تیری بھلائی سالگرہ

اس برس کا یہی تو نفع ہے
سال بھر کی کمائی سالگرہ

تو کہ اب اور ہو گیا بوڑھا
پھر تری لوٹ آئی سالگرہ

امام

کتنا روشن امام کا سر تھا
نور پھیلا تھا دونوں عالم میں
شامِ غربت بھی تھر تھراتی تھی
وہ سماں تھا کہ کوفہ والوں کو
بات آقا کی یاد آتی تھی

دیکھنا ایک دن یہ میرا حسین
نوک نیزہ پہ جگمگائے گا
لوگ یہ بات یاد کرتے تھے
یاد کرتے تھے روتے جاتے تھے

وہ جو خوشبو تھی جسمِ اطہر میں
خوشبوئے گلشنِ بتول تھی وہ
سارا گلشن اسی سے مہکا تھا
یوں معطر امام کا سر ہے

اس قدر روشنی نہ چاند میں تھی
تھی تمازت نہ ایسی سورج میں

شب تیرہ کو جگمگائے گا
حق کا یہ راستہ دکھائے گا
اتنا روشن امام کا سر ہے
روشنی یہ کبھی نہ ڈوبے گی

چاند تاروں نے ڈوب جانا ہے
ان شہیدوں نے جگمگانا ہے
علی اصغر نے مسکرانا ہے
اور دریا نے اپنے پانی میں
شرم سے آپ ڈوب جانا ہے

ننھے منے

ننھے منے لوٹ کے آ جا
رات کی رانی دن کا سورج
ان دونوں کا میل کرا جا
باہر گھور اندھیرا چھایا
اب تو گھر کو لوٹ کے آجا

خون

اک طرف زندگی
اس لیے نہ بچی
خون مل نہ سکا
اک طرف زندگی
اس لیے مرگئی
خون رک نہ سکا

کیوں میں باغی بنوں

کیوں بغاوت کروں
کیوں میں باغی بنوں
جام سب ہی پیئیں
اور میں ساقی بنوں
تو کہ خوشحال ہو
اور مجھے بھول جائے
میں کہ غم کے دنوں
تیری ساتھی بنوں
تو کرے سب گناہ
اور میں سانجھی بنوں
تو ہے پیتل مگر پھر بھی سونا لگے
میرا ہیرا بھی دنیا کو لوہا لگے
اب کے شاعر نے سوچا ہے وہ کر چلے
چاند گھر اُس کے اترے ترے گھر ڈھلے
اس نے سوچا ہے اب کے وہ نغمے لکھے
جس کو گائے مغنی تو وہ در کھلے

جس کی ایوانِ شاہی میں بھی گونج ہو
سب کی گردن ہی شاعر کے آگے جھکے
پھر وہ شہ کا مصاحب بنے اس طرح
گل میں خوشبو حکومت کرے جس طرح
پھر وہ ان کو بتائے وہ باغی ہیں جو
تم کھلونے ہو بس اور چابی ہیں وہ
یہ جو ایوان میں تھوڑی حرکت سی ہے
وہ انھیں کی بغاوت کی برکت سے ہے
یہ نہ باغی بنیں تو سپاہی ترے
اپنی تلوار سے تیرا سر کاٹ دیں
تیری شطرنج کے جو کھلاڑی ہیں وہ
ایسے مہرے چلیں جو تجھے مات دیں

یہی شاعر ہیں جب بھی وہ باغی بنے
تیری شطرنج کے وہ سپاہی بنے
ان کے سب شعر ہی مشورہ ہیں تجھے
یہ ترے افسروں کے ستائے ہوئے
یہ ترے لشکروں کے ہرائے ہوئے

یہ وہ سکے جو کھوٹے بنائے گئے
یہ وہ گل ہیں جو پتھر بنائے گئے
قصر و ایوان کے ترس کھائے ہوئے
قصر و ایوان کے سبھ رلائے ہوئے

یہ رعایا ہے گونگی نہ بہری تری
شاہ تو ہے، ترا تخت بے کار ہے
تجھ کو خلقت کی آواز آتی نہیں

تیرے ایواں کی ہر اونچی دیوار ہے
باغیوں کی صدا پھر بھی تلوار ہے

گر وزیروں پہ تیرے یہ چلنے لگے
بھاگتے ہیں وہ پھر گیدڑوں کی طرح
کھولتے ہیں محل کی سبھی کھڑکیاں
تیرے ایواں میں سانپوں کی بھرمار ہے
تیرا ہر اک سپاہی ہی غدار ہے

خدا سے جھگڑا

کسی معصوم بچے کو
ذرا جو بھوک لگتی ہے
تو وہ ماں سے لپٹتا ہے
اسی بچے کو جب اوروں کے بچے
تنگ کرتے ہیں
تو شکوہ ماں سے کرتا ہے
کھلونا کوئی پیارا سا
جو اس کے دل کو بھاتا ہے
تو وہ ماں سے ہی کہتا ہے
اگر مایوس ہو جائے
تو وہ کھانا نہیں کھاتا
وہ ماں سے روٹھ جاتا ہے
وہ پھر محروم ہاتھوں سے
اسی ماں کو پکڑتا ہے
کھلونا یاد کرتا ہے
یہی تو پیار ہے اس کا

کہ ماں ہی مان ہے اس کا
اگر والد نہ سر پر ہو
اسے تخلیق کرتی ہے
اسے آغوش دیتی ہے
کھلونا کیوں نہیں دیتی
بھلا کب وہ سمجھتا ہے
وہ بس اُس سے جھگڑتا ہے
کھلونا یاد کرتا ہے
وہ بچہ خواہ کوئی ہو
کسی بھی رنگ و مذہب کا
تو پھر یہ مسئلہ کیا ہے
بشر جب رب سے لڑتا ہے
اسے آواز دیتا ہے
کھلونے کو جھگڑتا ہے
مگر مایوس ہو جائے
تو اُس کا جھگڑا بے جا ہے
کھلونے مانگنے کی جو

اسے بچپن سے عادت ہے
کھلونا گر نہیں ملتا
تو پھر لڑنے کی عادت ہے
اس یہ یاد ہی کب ہے
کہ وہ بھوکا پیاسا ماں کے جب پہلو میں رویا تھا
تو اس کی ماں نے اس کے ہونٹوں پر پھر پیاس رہنے دی
بڑا وہ ہو گیا بچہ
تو ماں نے اس کو بتلایا
تیری تخلیق میں مجھ سے بھی زیادہ
رب ملوث ہے
کھلونا دینے نہ دینے پر
اس کا زور چلتا ہے
بڑا وہ ہو کے پھر بچہ
اگر رب سے نہیں اُلجھے
تو کس پر زور ہے اس کا
وہی تخلیق کرتا ہے
اسی پر زور چلتا ہے

جھگڑنا اس سے بنتا ہے
بگڑنا اس سے بنتا ہے
اگر تم نے بشر سے
اپنے مولا سے جھگڑنے کے
سبھی حق سلب کرنے ہیں
تو پھر چھوٹے سے بچے کے
غصب اس حق کو بھی کر لو
جو اس کا ماں پہ ہوتا ہے
اگر یہ کر نہیں سکتے
تو سب قانون جھوٹے ہیں
جو اپنے رب سے لڑنے اور جھگڑنے پر گئے مارے
انھیں لوگوں کے اب تک منصفوں سے خون روٹھے ہیں

رقص

گھنگروؤں کی اُلجھن میں
اپنے پاؤں ہیں باندھے
رقص کرتی جاتی ہوں
مشکلوں کے سازوں پر
پاؤں میرے اُٹھتے ہیں
زخم زخم گیتوں پر
ہاتھ میرے ہلتے ہیں
تب ہوا یہ نفرت کی
ہوش اپنے کھوتی ہے
تب یہ پیار کی جھانجر
اس کے پاؤں دھوتی ہے
تب وہ ٹوٹتی نفرت
اُلجھنوں کے گھنگرو سے
پیار بن کے گرتی ہے
جس کو میں اُٹھاتی ہوں
رقص کی فضاؤں میں
زندگی کو پاتی ہوں

سرویلنٹائن

ایک چھوٹے سے جرم کی پاداش
جیل کا ایک چھوٹا کمرہ تھا
کان اس جیل کی جداروں کے
اُس کی باتوں کے منتظر ہی رہے
چپ مگر اس نے سادھ رکھی تھی
بات وہ دائرے سے کرتا تھا
ایک اس کے قلم میں نقطہ تھا
کیا خبر تھی کہ جیل میں آ کر
عشق کی داستاں وہ لکھے گا
ایک جیلر کی خوبرو بیٹی
ایک قیدی سے عشق کر بیٹھی
اپنے دل کی تمام آزادی
اس کی آنکھوں میں قید کر بیٹھی
اور جیلر کے اونچے شانوں کو
کب بھلا عشق یہ گوارہ تھا
جن کی نیندوں میں جنگ رہتی ہو

وہ محبت کے خواب کیا جانیں
وہ جو دن شوق سے مناتے ہیں
وہ لگن کے عذاب کیا جانیں
اس کے یہ پیار ہی کی طاقت تھی
جرم اس کا ہی اس کے کام آیا
اس کے خوں سے بھرے گلابوں کا
ایک تحفہ سبھی کے نام آیا

لمس

تمھارے لمس کی خوشبو کے
میرے پاس آتے ہی
ہوائیں رقص کرتی ہیں
ذرا پہلو بدل کر تم جو
میری سمت تکتے ہو
تو گلشن کی فضائیں
بے خودی میں وجد کرتی ہیں
مرے چہرے پہ جب سانسیں تمھاری
گرم پڑتی ہیں
تو میری کھولتی سانسیں
فضا میں نرم پڑتی ہیں
ہرے پتوں کی رنگت
جب بھی تھوڑی زرد پڑتی ہے
تمھارے پیار کی خوشبو
انھیں سرسبز کرتی ہے

مجھے تو شام میں تم
دوپہر کی دھوپ لگتے ہو
فرشتے کا کسی انساں کی صورت
روپ لگتے ہو
یہاں پر خوبرو ہیں سب
مگر تم خوب لگتے ہو
تمھارے لمس کی خوشبو سے
میری سانس چلتی ہے
اسے چلتا ہی رہنے دو
مجھے ہنستا ہی رہنے دو

رہنما

رہنما مجھ کو چاہیے ایسا
جو مرے ساتھ ساتھ چلتا ہو
جب مرے سر پہ رات آئے تو
اُس کی آنکھوں میں چاند جلتا ہو
جب وہ آگے قدم بڑھائے تو
میرا پاؤں بھی آگے بڑھتا ہو
رہنما مجھ کو چاہیے ایسا
جس کے آگے زمین چلتی ہو
جب کبھی سر پہ دھوپ آئے تو
اُس کی بدلی سبھی پہ پڑتی ہو
آبلہ پائی ہم سفر ہو اگر
اُس کے ماتھے سے برف ڈھلتی ہو
رہنما مجھ کو چاہیے ایسا
جو ہو کشتی کے ناخدا جیسا
دل کے مندر میں جس کی پوجا ہو
اُس کے جیسا کوئی نہ دوجا ہو

جب مرے پاؤں زخمی ہوجائیں
پاؤں اُس کا بھی ساتھ سوجا ہو
رہنما کس کو چاہیے ایسا
رہنما سب کو چاہیے ایسا
آؤ اب رہبری کرو آ کر
پھول میں تازگی بھرو آ کر

سیاست

لوگ کہتے ہیں
یہ سیاست تو
اک کبڈی کا بس اکھاڑا ہے
جس میں کچھ پہلوان آتے ہیں
زور اپنا سبھی لگاتے ہیں
ہار جاتے ہیں
جیت جاتے ہیں
تم جو میری نظر سے دیکھو تو
یہ سیاست کا جو اکھاڑہ ہے
اک محبت بھرا نظارہ ہے
جس کو دل میں سجانا پڑتا ہے
جس کو اپنا بنانا پڑتا ہے
اس میں ڈوبو تو راز جانو تم
اک کبڈی کے اس اکھاڑے میں
پھول کھل جائیں گے جو مانو تم

نیا سفر

ہم بھول گئے تری باتوں کو
ترے نغموں کو تری یادوں کو
اے ہم نفسو اے ہم قفسو
اب بند کرو اس مکتب کو
کسی اور جگہ اب چلتے ہیں
جہاں تارے شب میں ڈھلتے ہوں
جہاں دل آنکھوں کو پڑھتے ہوں
جہاں دن میں چاند نکلتا ہو
جہاں رات میں سورج ڈھلتا ہو
جہاں تم نہ تمھارے نغمے ہوں
فرقت کے نہ کوئی صدمے ہوں
جہاں پیار کے سارے موسم ہوں
جہاں چاند فلک پر روشن ہوں
جہاں بھول کے سب تم جیسوں کو
کوئی میرے جیسا بیٹھا ہو

اے ہم نفسو اے ہم قفسو
اس شہر کو آؤ چلتے ہیں
ہم بھول گئے
تنگ نظروں کو
سب صدموں کو
اب پریم کہانی اپنی ہے
اب شام سہانی اپنی ہے
اب پیار ہے میری آنکھوں میں
اب پریم کی رانی اپنی ہے
اے ہم نفسو اے ہم قفسو

جنگ اور محبت میں

LLB کے ایک کیس (JensSoering) اور

(Elizabeth Haysam)

کی محبت پر ایک نظم

جنگ اور محبت میں
ہر گناہ جائز ہے
ہر عذاب ہلکا ہے
ہر ثواب بھاری ہے
یار کی محبت میں
اُس کا وصل پانے کو
جتنے خواب دیکھے ہیں
سارے سچے کرنے ہیں
چاند کی دعاؤں کے
رنگ اُس میں بھرنے ہیں
دو دلوں کی دنیا میں
چاہے کوئی بھی آئے
وہ جدار لگتا ہے

چاہتوں کی بستی میں
پیار ہی کا رستہ ہے
سوئرنگ اور الزبیتھ بھی
سچا پیار کرتے تھے
ایک ساتھ جیتے تھے
ایک ساتھ مرتے تھے
اُن کی خواب گاہوں سے
خواب ناک آنکھوں تک
جس قدر بھی رستے تھے
پیار ہی کے رستے تھے
پھول چننے والوں کے
ارد گرد جو بھی تھے
پاس اُن کے کانٹے تھے
نفرتوں کے چانٹے تھے
پھر عوض میں نفرت کے
پیار کیسے بکتا ہے
نفرتوں کی مٹی میں
پھول کیسے کھلتا ہے

خار دینے والوں کی آج بند سانسیں ہیں
پیار کرنے والوں کی دونوں باہیں خالی ہیں
جیل کی سلاخوں میں دونوں ہی سوالی ہیں

دونوں ہی یہ کہتے ہیں
پیار کی کتابوں کے
سب ورق ہی جھوٹے ہیں
جنگ اور محبت میں
جو گناہ لازم ہیں
وہ سزائیں رکھتے ہیں
یہ سبق بدل ڈالو
پیار کرنے والوں کو
پیار میں بدل ڈالو

ریمنڈ ڈیوس کی رہائی

خزاں کے زرد پھولوں کو
لہو کا رنگ پہنا دو
بہاریں لوٹ آئیں گی
زمیں کے سبز آنگن میں
جو نیلے پیڑ لگوا دو
وہاں پر چاند اُبھرے گا
کسی معصوم بچے کو
اگر گولی سے مروا دو
وہاں پر چشمہ پھوٹے گا
نئ دنیا کے اے واعظ
تمھاری بات تو مانوں
مگر کیا تم نے سوچا ہے
خزاں کے زرد پتوں پر
لہو کا رنگ چڑھنے سے

انہیں خوشبو نہیں ملتی
زمیں پر زخم لگ جائے
تو وہ نیلی تو ہوتی ہے
پر اُس کے چاند سورج کو
کبھی کرنیں نہیں ملتیں
جہاں معصوم مرتے ہیں
وہاں پر اشک گرنے سے
کوئی چشمہ تو بنتا ہے
پر اُس میں زہر ہوتا ہے
جسے کوئی پی نہیں سکتا
اگر کوئی پی بھی جائے تو
وہ پی کر جی نہیں سکتا
نئی دنیا کے اے واعظ
ترے منبر پہ سرخی ہے
یہ تیرا جسم نیلا ہے
ترے پیروں میں چشمہ ہے
اگر جینے کی خواہش ہے

تو دیکھ اس کو ذرا پی کر
یہاں پھر چاند اُبھرے گا
یہاں پر سانپ بیٹھیں گے
یہاں پھر پھول بکھریں گے
تعفن جس سے پھوٹے گا
نئی دنیا کے اے واعظ
ترے سارے عزیزوں کو
ترے ہی خون کے بدلے
بہت سی بخششیں ہونگی کی
تجھے انصاف کیسے دیں
کہ تیرے خون کے آگے
تری ہی لغزشیں ہونگی

شجر سایہ دار

گھنے جنگل میں کوئی پیڑ کٹ جائے
تو سورج کی شعاعیں اُس جگہ رستہ بناتی ہیں
ہوا کو حبس کے موسم میں تھوڑا سانس آتا ہے
قریبی پیڑ کی شاخیں خوشی سے پھول جاتی ہیں
زمیں کو بوجھ ہلکا ہونے کا احساس ہوتا ہے
غرض جنگل کی ہر اک چیز سے دل شاد ہوتا ہے
مگر جب پیڑ کٹتا ہے کسی ایسی گزر گہ سے
جہاں لمبی مسافت کے تھکے ماندے مسافر سب
بلا کی دھوپ میں رک کر ذرا آرام کرتے ہیں
ذرا ستاتے ہیں اور پھر سفر آغاز کرتے ہیں
تو ایسے پیڑ کے کٹنے سے دل ناشاد ہوتے ہیں
زمیں کا سینہ پھٹتا ہے ہوا کا دل تڑپتا ہے
مسافر اس جگہ پر بیٹھ کر آنسو بہاتے ہیں
وہاں کی خاک کو پاؤں کے سب چھالے دکھاتے ہیں

قضا کے ہاتھ نے پھر سے اک ایسا پیڑ کاٹا ہے
کہ جس کے گل تو کیا کانٹے بھی خوشبو سے نہائے تھے
بلا کے جس نے سر اوپر گھنے بادل اٹھائے تھے
مسافر دھوپ ہو تو پھر بھی اُس کے پاس سائے تھے
تو اک ایسا مسافر ہے جسے آغوش میں لے کر
ترے حصے کے سارے رنج اُس نے خود اُٹھائے تھے
ہر اک پت جھڑ میں تیری راہ میں گل ہی بچھائے تھے
تعفن جب بڑھا تب بھی اُسے خوشبو نے گھیرا تھا
مہ کامل تھا وہ جب ہر طرف اک گھپ اندھیرا تھا
اُٹھو اس پیڑ کی جا پر نئے پودے لگاؤ تم
برائے آب پاشی اپنی چشم نم بہاؤ تم
وہ پودے اُس شجر کی عظمتوں کا مان بن جائیں
بلاناغہ انہیں اُس پیڑ کے قصے سناؤ تم
شجر اب بھی تمھارے سر پہ مثل ابر قائم ہے
ذرا گردن گھما کر عرش پر نظریں جماؤ تم

(خالو نیک کی وفات پر اُن کے بیٹے ناصر
بھائی کے لیے)

مقدر

وقت نے شرط یہ لگائی تھی
دوڑ میں مجھ کو وہ ہرائے گا
وہ سبک رو تھا اور مدبر بھی
اُس کے لہجے میں تھا تکبر بھی

میری رفتار ست تھی نہ مگر
پھر بھی مجھ سے وہ کافی آگے تھا
راستوں میں پڑاؤ کرتا تھا
اور مڑ مڑ کے مجھ کو تکتا تھا
بے بسی بے کسی کے رنگوں سے
میری تصویر اک بناتا تھا
مجھ کو تصویر وہ دکھاتا تھا
اور آگے کو بھاگ جاتا تھا
اک چھلاوہ تھا وہ مصور بھی
اُس کے ہاتھوں میں تھا مقدر بھی

پھر وہ اک موڑ ایسا بھی آیا
جب مرے سامنے کھڑا تھا وہ
جانے کس ضد پر اب اڑا تھا وہ
نہ تو تصویر وہ بناتا تھا
نہ ہی وہ میرا منہ چڑاتا تھا

اُس کے پاؤں میں میرے چھالے تھے
اُس کی آنکھوں میں میرے آنسو تھے
اُس کے لہجے میں تھی تھکن میری
سانس اس کی نہ اس کے قابو میں تھی

اُس نے کاغذ مجھے تھما کے کہا
میری تصویر اب بناؤ تم
دوڑ کی شرط توڑ دی میں نے
اب جدھر چاہو بھاگ جاؤ تم
یہ مری انتہا کا لمحہ تھا
اک نئی ابتدا کا لمحہ تھا

پانی کی کشتی

اپنے ماضی کو اُس کے ماضی کو
کاغذوں میں لپیٹ کر میں نے
ایک دریا میں ایسے چھوڑ دیا
جیسے برسات میں گھرے بچے
بیٹھ کر کشتیاں بناتے ہیں
پانیوں میں اتار آتے ہیں
جیسے ہی کشتی ڈوبتی ہے ایک
اور کشتی نئی بناتے ہیں
ہر نیا روز نئی کشتی ہے
جو کہ پانی میں ڈوب جاتی ہے
پانیوں سے ابھر کے آئے بھی

تو نہ ساحل پہ لوٹ پاتی ہے
اپنے ماضی کو اپنی کشتی کو
اُس کے ماضی کو اُس کی کشتی کو

کون سے پانیوں میں چھوڑ آؤں
مجھ کو دریا کا یہ بلاوا ہے
کشتیاں دونوں پانیوں کی ہیں
ڈال دوں کاغذوں کے دریا میں

۱

ہوائیں

اب ہوائیں بھی رعب رکھتی ہیں
چلتے پھرتے تمام لوگوں کے
تن میں آتی ہوئی جو سانسیں ہیں
اب یہ اُن کا حساب رکھتی ہیں
زندگی کا نصاب رکھتی ہیں

ڈھال

لپٹ نہ جائیں سبھی ہوائیں
تمھارے تن سے
تم اپنا آنچل سنبھال رکھو
تم ان ہواؤں پہ ڈھال رکھو
ہوا تمھارا جو تن لپیٹے
کہیں میں جل کر نہ راکھ ٹھہروں
ہوا کی راہوں کی خاک ٹھہروں
تم اپنا آنچل سنبھال رکھو
تم ان ہواؤں پہ ڈھال رکھو

حکم شاہی

ترے دربار سے ہم کو
ہوا فرمان اک جاری
مرض کو تم شفا مانو
ہو گر سرکار سے غلطی
تو اُس بے وجہ سختی کو
مقدر کی قضا مانو
کئی دستور بدلیں گے
کئی آئین ٹوٹیں گے
مگر جو حکمِ شاہی ہو
اُسے حکمِ خدا مانو
فقط دو چار لفظوں میں
اس اک فرمانِ شاہی کا
خلاصہ صرف اتنا ہے
ہمارا حکم ہو پورا

زمین انٹارکٹکا ہے

زمیں پر برف تو سر پر چمکتا مہر رکھا ہے
تو ہے غفار یہ تری معافی کا نمونہ ہے
یا پھر اس معجزے میں ایک خفیہ قہر رکھا ہے
مصور تو نظارہ یہ ترا شہکار ہے جیسے
زمین و آسمان کے بیچ اک دیوار ہے جیسے
یا پھر سورج جسے پانی کا ہی دلدار ہے جیسے

نمونہ اپنی قدرت کا دکھانا پڑ گیا تجھ کو
زمین پر خون بکھرا تھا، چھپانا پڑ گیا تجھ کو
کسی مجرم کو منصف سے بچانا پڑ گیا تجھ کو
فلک کی کاٹ میں چرکہ لگانا پڑ گیا تجھ کو

تو عادل ہے ترے انصاف کا یہ کیا طریقہ ہے
مصور تو ترے شہکار کی کیا چیز خفیہ ہے

تو خالق ہے لہو سے اک نیا پتلہ کھڑا کر دے
تو منصف ہے تو قاتل کو مرے آگے کھڑا کر دے
تو ہے قہار تو اس برف میں محشر بپا کر دے
تو شاہد ہے تو سورج کی گواہی خوف پر کر دے

اگر سورج گواہی دے تو ساری برف پگھلے گی
دلوں میں خوف آئے گا گواہی خود ہی ابھرے گی
زمیں انٹارکٹکا ہے جہاں پر برف ہے خوں ہے

تو ساری برف پگھلا دے
نہ پھر کوئی خون ناحق ہو
نہ پھر انٹارکٹکا ہو

چھکا

اک رواج عام ہے
جب کوئی بلندی سے

نیچے آ کے گرتا ہے
تو سبھی عزیزوں کا

دم ہی گھٹنے لگتا ہے
گرچہ دشموں کا دن

عید ہونے لگتا ہے
کھیل کے میدان میں بھی

واقعہ عجب ہے پر
گیند اک بلندی سے

نیچے آ کے گرتی ہے
دل تو دشمنوں کے پھر

ماند پڑنے لگتے ہیں
اور دل عزیزوں کے

شاد ہونے لگتے ہیں
کاش کھیل کا چھکا

اتنا عام ہوجائے
دوست اور دشمن کا
فرق ہی نہ ہو باقی

نور

تیرے چہرے پہ نور پھیلا ہے
کوئی چھو لے تو ایسا ہو جائے
جیسے سورج سے روشنی لے کر
شب کے تارے تمام جل جائیں

تیرے ماتھے پہ چاند رکھا ہے
جس کو دیکھوں تو ایسا لگتا ہے
جیسے یہ چاند میری راتوں میں
روشنی اپنی بھرنے آیا ہے
ایک روشن چراغ سا بن کر
میری راہوں میں جلنے آیا ہے

مجھ کو اے جان ایسا لگتا ہے
میری ہر سمت جو سویرا ہے
تیرے چہرے کا نور پھیلا ہے

لیبیا

فضا میری ہے
اور میرا طیارہ اڑ نہیں سکتا
مگر میری زمیں سے
رشتہ تیرا جڑ نہیں سکتا
ہوا میں جو پرندہ ہے
وہ تیری لاکھ کوشش سے
تری مرضی سے واپس
اس زمیں پر مڑ نہیں سکتا

فضا میں اڑنے پھرنے سے
زمیں پر وار کرنے سے
کوئی فاتح نہیں بنتا

فلک کے تیز سورج کی تپش
بارود سے بھاری

مگر دھرتی پہ مڑنے سے
زمیں بنجر نہیں ہوتی
وہاں پر پھول کھلتے ہیں

گماں تجھ کو ہے گر ایسا
ترا بارود بھاری ہے
تو تجھ کو اختیاری ہے
زمیں پر وار کر دیکھو
فلک سے ہار کر دیکھو

آنکھ کیمرے کی ہے

سچ کو سچ جھوٹ کو جھوٹ کر دکھاتی ہے
درد کے مناظر کو پاس لے کے آتی ہے
جھوٹ کی زمینوں پر فصلِ حق اگاتی ہے
وقت کا ہر اک لمحہ قید کرتی جاتی ہے
خود جو دیکھ لیتی ہے سب کو وہ دکھاتی ہے
آنکھ کیمرے کی ہے

حکمرانِ وقت اس کی راہ تکتے رہتے ہیں
خوشنما سے پھول اس کی بات کرتے رہتے ہیں
جاں بلب سے لوگ اس کو یاد کرتے رہتے ہیں
قاتلوں کی بستی میں خون کے سبھی دھبے
اس پہ گرتے رہتے ہیں گر کے مٹتے رہتے ہیں
آنکھ کیمرے کی ہے

سب جو دیکھ لیتی ہے
پر جو اس کے پیچھے ہے
آنکھ اک دیوانے کی

اس کی آنکھ کے آنسو یہ چھپا کے رکھتی ہے
اس کے زخم سینے کے یہ دکھا نہیں سکتی
ظلم کے مناظر کو قید کرنے کے لمحے
اس پہ جو گزرتی ہے وہ بتا نہیں سکتی
اور اگر دکھا دے تو
آنکھ کیمرے کی یہ

ٹوٹ پھوٹ جائے گی
اپنی زندگی پر یہ
خود لہو بہائے گی
تم کو کیا دکھانا پھر
اپنی آنکھ سے چہرہ
اپنا یہ چھپائے گی

چودھری

اپنے گاؤں کا سب سے کھرا چودھری
اپنے لوگوں کے غم سے بھرا چودھری

ایک منشی کو خوف خدا نہ رہا
ایک بیوہ کا کچھ آسرا نہ رہا
اس کے گھر میں تو کچا گھڑا نہ رہا
اس کے سر پہ کوئی بھی بڑا نہ رہا
وہ یوں سہمی کہ کچھ مدعا نہ رہا
اس کو ایسے لگا اب خدا نہ رہا

اپنے لوٹے کو اب تو گھما چودھری
حق تو بیوہ کا اس کو دلا چودھری
اپنے آقا سے رشتہ نبھا چودھری
ایک دکھیا کو اللہ دکھا چودھری

اک وڈیرہ اٹھا کے کنواری گیا
حسن پہ اس کی زلفوں پہ واری گیا
اسکا پاؤں ہوا جونہی بھاری ' گیا

بس تماشہ دکھا کے مداری گیا
ہاری بیٹی کو لے کے جواری گیا
خالی کاسہ اٹھا کے بھکاری گیا

اس وڈیرے کو اب تو نچا چودھری
اس کی بیڑی میں گھنگھرو لگا چودھری
اسکو گاؤں کی رادھا بنا چودھری
ہر بھکاری کی بیٹی بچا چودھری

قتل کر کے بھتیجا لگا جھومنے
آ کے منصف ہی ماتھا لگا چومنے
تیرا لوٹا تو پھر خود لگا گھومنے

بو وہ قاتل کی خود ہی لگا سونگھنے
اور تجھ کو لگا زور سے گھورنے
چودھری تیرا دل کیوں لگا ڈوبنے

اس کے چہرے پہ کالک لگا چودھری
اس کو گاؤں میں عبرت بنا چودھری
اس کو پھانسی پہ اب تو چڑھا چودھری
خون ناحق سے سب کو بچا چودھری

ورنہ پانی سے میرے نہا چودھری
پھر یہ لوٹا لہو میں بہا چودھری
اب تو لوٹے کی پگڑی بچا چودھری
دیکھ عزت نہ اسکی گنوا چودھری
چھوڑ مجھ کو تو خود کو گھما چودھری
میری میت کو پھر تو دبا چودھری

امن کا خواب

میرے آنسو ہار کے
تیرے آنسو جیت کے
تیرے میرے آنسوؤں کا
ذائقہ تو ایک ہے
جسم میرا آسمان
گال تیرے سرخ ہیں
تیرا خون میرا خون
رنگ ان کے سرخ ہیں
مرا نسب ہے اور کچھ
ترا نسب بھی اور ہے
ترا نسب مرا نسب
جہاں پہ جا کے جا ملے
وہ حوا آدم ایک ہیں
تو پھر یہ کیسی ہار ہے
تو پھر یہ کیسی جیت ہے
تو پھر یہ کیسی جنگ ہے

تو پھر یہ کیسی دشمنی

مرے لہو کے رنگ سے نہ پھول تیرے لال ہوں
ترے لہو کے رنگ سے نہ کچھ مجھے کمال ہوں
تو تیری میری نفرتوں کو کس طرح زوال ہوں
جو میرے تن پہ چوٹ ہو تو سرخ تیرے گال ہوں
یہ تیرے تن کے زخم میری روح پر وبال ہوں
نہ ہی کوئی شکار ہو نہ ہی کہیں پہ جال ہوں
ہوں سکھ ہمارے ایک سے اور ایک سے ملال ہوں
دلوں میں کوئی وہم ہوں نہ ذہن میں سوال ہوں
لہو کا رنگ ایک ہے تو ایک جیسی زیست ہو
کہ نفرتوں کی کھیتیوں میں چاہتوں کی جیت ہو
کوئی ہوا ایسا رہنما کوئی تو ایسا میت ہو
نہ جس کی کوئی ہار ہو نہ جس کی کوئی جیت ہو

باپ بیٹے کی گفتگو

آج سمندر میں ہی رکنے والے ہیں
بیٹا ہم دونوں ہی مرنے والے ہیں
تم کو مجھ کو کوئی بچا نہیں پائے گا
لوگ ہمارا ماتم کرنے والے ہیں
تیری ماں کو کیسے منہ دکھلاؤں گا
آج نہیں ہم گھر کو لوٹنے والے ہیں
اپنے خدا کے پاس ہمیں اب جانا ہے
وہی خدا جو بخشش کرنے والا ہے
بولا بیٹا بابا جرم یہ میرا ہے
میرے سبب سے آپ بھی مرنے والے ہیں
آپ نے وہ سب کیا ہے میری خاطر جو
جو نہ کسی کے باپ بھی کرنے والے ہیں
آپ کو بابا اچھی طرح جانتا ہوں
میری خاطر سب سے لڑنے والے ہیں

میرا ہاتھ تو تھام لو اب مضبوطی سے
اب دونوں ہم واپس مڑنے والے ہیں
موت کسے کہتے ہیں جان یہ جائیں گے
ہم دونوں اک ساتھ ہی مرنے والے ہیں

وطن کو بیچ مت دینا

بڑا گھاٹے کا سودا ہے
نہیں کچھ فائدہ ممکن
خسارہ ہی خسارہ ہے
وطن کو بیچ مت دینا

ندی کتنی ہی چھوٹی ہو
کنارہ پھر بھی دیتی ہے
بھلے شب کتنی کالی ہو
ستارہ پھر بھی دیتی ہے
وہ جنت چاہے جیسی ہو
نظارہ پھر بھی دیتی ہے
اگر ماں بے سہارا ہو
سہارا پھر بھی دیتی ہے

وطن بھی ماں سا پیارا ہے
وطن کو بیچ مت دینا

اگر ہوں اُنگلیاں زخمی
تو خوں ہاتھوں سے رستا ہے
اگر یہ ہاتھ کٹ جائیں
تو پھر بانہوں سے گرتا ہے
جو گردن ہو جدا تن سے
تو یہ مٹی میں ملتا ہے
کہانی دل کی ہوتی ہے
قلم آنکھوں سے لکھتا ہے

بدن اک استعارہ ہے
وطن کو بیچ مت دینا

کہوں میں کیا تجھے اس کی
جسے دل جان کہتا ہے
نظر میں ہے ہوس اُس کی
نظر میں مال رہتا ہے
مجھے کنگال کرتا ہے
وہ خود خوشحال رہتا ہے

وہ میرا حال کیا پوچھے
جو خود بے حال رہتا ہے

دکھی ماں نے پکارا ہے
وطن کو بیچ مت دینا

اثاثہ یہ تمھارا ہے
وطن کو بیچ مت دینا

ملالہ

یاد ہے تم کو محمد ﷺ پر تھی پہلی وحی کیا
پڑھ خدا کے نام سے جس نے تجھے پیدا کیا

یاد ہے تم کو پیمبر نے دیا تھا حکم کیا
پڑھنے کی خاطر دیارِ چین بھی جایا کرو

یاد ہے تم کو کہ پاکستان کا مطلب ہے کیا
لاالہٰ کے حکم کی تعمیل اس دھرتی پہ ہو

رب کے ہر قانون کی اس ملک میں تشکیل ہو
شاعرِ مشرق کے ہر اک خواب کی تکمیل ہو

پھر اُسی ارضِ وطن پر گولی کیسے چل گئی
پھر خدا کے حکم کو یہ گولی کیسے لگ گئی

کون کہتا ہے نشانہ اُس کا بچی ایک تھی
سچ تو یہ ہے سو تھے جھوٹے اور سچی ایک تھی

آؤ اس مقصد کو لے کر آج ہم آگے بڑھیں
پھر خدا کے حکم کے سب سلسلے آگے کریں

گر ملالہ مر گئی تو ظلم کی یہ ریت ہے
گر ملالہ جی اٹھی تو حکمِ رب کی جیت ہے

آخری خطاب (بے نظیر کی شہادت پہ)

اے میرے جیون سے لمحہ لمحہ سرکتی سانسو
ذرا سا تھمنا
میں گرچہ اپنوں کے بیچ میں ہوں
مگر کچھ اپنے ہیں دور مجھ سے
انہیں بلا لوں
بس آخری بار اپنے بچوں کے سر پہ
میں اپنا ہاتھ رکھ دوں
میں زندگی بھر کے اپنے ساتھی کا
ہاتھ ہاتھوں میں لے کے
کوئی تو بات کر لوں
جو اپنے لوگوں سے ایک وعدہ
کیا ہوا ہے اسے نبھا لوں
بدن کو کپڑا، دہن کو روٹی
تو سر چھپانے کو کوئی کٹیا
انھیں دلا دوں
وہ میری رہ پر کھڑے ہوئے ہیں

مری محبت میں جی رہے ہیں
اے موت تھوڑا سا وقت دے دے
تو ہاتھ میرا پکڑ کے مجھ کو
یہاں سے جس پار لے چلے گی
میں چل پڑوں گی
مگر تجھے شکر یہ کہوں گی
کہ تو نے مجھ کو وہاں پکارا
جہاں میں اپنوں کے بیچ میں تھی
میں اپنی گلیوں میں گھومتی تھی
میں اپنی مٹی کو سونگھتی تھی
اے میرے جیون سے لمحہ لمحہ سرکتی سانسو
ذرا سا تھمنا
یہ میرے بھائی یہ میرے بابا
یہ مجھ کو لینے جو آ رہے ہیں
انہیں کوئی جا کے یہ بتائے
یہ کیسا رشتہ نبھا رہے ہیں

مجھے بھی چھوڑ آئے تھے یہ روتا
یہ میرے بچے رلا رہے ہیں
اے میرے جیون سے لمحہ لمحہ سرکتی سانسو
اگر نہ تھمنا
تو مجھ سے بس ایک وعدہ کرنا
مرا بدن جب لحد کو اوڑھے
تو خاک بن کر مجھے اُڑانا
وطن کی گلیوں میں چھوڑ آنا
مرے پیاروں کو، میرے بچوں کو
بات اتنی سی بس بتانا
جہاں شہیدوں نے خوں بہایا
جہاں پہ ظلمت نے سر اُٹھایا
وہیں پہ میں روشنی کا پورا
جہان بن کر انھیں ملوں گی
اے میرے جیون سے لمحہ لمحہ سرکتی سانسو
ذرا سا ٹھہرو

ٹھوکر

قدم اپنا اُٹھاتی ہوں
تو رستہ بھول جاتی ہوں

ہر اک رستے پہ ٹھوکر ہے
ہر اک ٹھوکر مقدر ہے

مقدر آزمانا ہے
قدم آگے بڑھانا ہے

یہ رستہ یاد رکھنا ہے
اسے منزل بنانا ہے

افریقہ

یہ بچہ ایک نقطہ ہے
جسے مٹی میں ملنا ہے
زمیں کا بیج ہونا ہے
کسی کی چھاؤں بننا ہے
کسی ہاتھوں سے کٹنا ہے
اسے نقطہ ہی رہنے دو
اسے مت حرف ہونے دو
اسے ہم قبر کر دیں گے

ٹانگ

میں اپنے گھر سے نکلا تھا
فقط روزی کمانے کو
ادھوری جیب بھرنے کو
مکمل خواب چننے کو
مگر اتنا گماں کب تھا
کہ میرا جسم ٹوٹے گا
کئی ٹکڑوں میں بکھرے گا
کسی گٹھڑی میں جائے گا
میرے بچوں کی وہ نظریں
جو مجھ کو ڈھونڈتی ہونگی
انہیں اک ٹانگ کا تحفہ
مری جانب سے پہنچے گا
نہ اس پر میرا تن ہوگا
نہ چہرہ ہی لگا ہوگا
مجھے اک ٹانگ رہنے دو
ادھورا کفن ہے میرا
مکمل خواب ہے تیرا
تو دھن دولت کما بیٹھا
میں اپنا تن گنوا بیٹھا

اسکول گرل

ابھی بتی نہ جلنے دو
اجالا تو ضروری ہے
ابھی بتی نہ جلنے دو
کہ رمشہ سو رہی ہے اب
رضائی لمس اوڑھے ہے
تھکن سانسوں میں بکھری ہے
بنا دھاگے کے ہے لیکن
سماں سوئی پروتا ہے
گھڑی کا وقت مدھم ہے
سبھی سوئیوں کی نوکوں پر
کسی کے خواب لپٹے ہیں
سبھی خوابوں میں تتلی ہے
ہر اک تتلی کے بازو ہیں
جو رمشہ کو سمیٹے ہیں
وہ جو ان میں حرارت ہے

وہ سارے تن کو کافی ہے
ابھی بتی نہ جلنے دو
ابھی پردے گرا رکھو
ابھی سورج کی کرنوں سے
رضائی کو بچا رکھو
مبادا لمس جل جائے
ابھی بتی نہ جلے دو
ابھی اسکول جانے میں
بہت سا وقت باقی ہے

بھلا

بھلا کوئی خواب گنتا ہے
جہاں گنتی ہی زیرو ہو
جہاں ہندسہ نہ ہو کوئی
بھلا کوئی خواب لکھتا ہے
جہاں سب حرف ساقط ہوں
جہاں جملہ نہ ہو کوئی

بھلا کوئی خواب بنتا ہے
جہاں آنکھیں ادھوری ہوں
جہاں سوچوں پہ پہرے ہوں

وہاں پر خواب کیوں ٹوٹے
جہاں خوابوں پہ بندش ہو
وہاں پر نیند کیوں آئے
جہاں راتیں نہ اتری ہوں

پورش

کوئی اس ماں سے تو پوچھے
جو اک پرچم اُٹھاتی ہے
پسر سرحد کو دیتی ہے
جو اس کی مانگ ہوتا ہے

اگر ہو رات کا عالم
وہاں تارے چمکتے ہیں
وہاں سورج دمکتا ہے
اگر دن کا اجالا ہو
پسر سرحد پہ وہ جا کر
پریشاں حال ہوتا ہے
نہ اُس کی مانگ میں جگنو
نہ ہی تارے چمکتے ہیں
مگر سرحد پہ جیتا ہے
مگر سرحد پہ مرتا ہے

یہی پورش ہے اُس ماں کو
میں ایسا کر نہیں سکتی
میں اپنی مانگ کو تاروں سے
خالی کر نہیں سکتی
پسر سرحد کو اک دے کر
میں سرحد بن نہیں سکتی

پورش: پیغام

جوتے (پیشے)

وہ باٹا ہوں یا سروس ہوں
انہیں پاؤں میں آنا ہے
وہ نائک کے اگر ہوں بھی
وہ ہاتھوں میں نہیں آتے
زمیں ان کا بچھونا ہے
کنارے ہیں یہ دریا کے
سدا جو ساتھ چلتے ہیں
جو اک پیچھے تو اک آگے
یہی بس دوڑ ہے ان کی
نہ کوئی جیت ہے ان کی
نہ کوئی ہار ہے ان کی
جہاں بھی یہ چلے جائیں
زمیں کی دھوپ کا دریا

وہ ان کے ساتھ چلتا ہے
وہ باٹا ہوں یا نائک ہوں
وہ ہاتھوں میں نہیں آتے
زمیں ان کا مقدر ہے
زمین ان بچھونا ہے

کلکے

ہمیں بس ہاتھ دکھتے ہیں
جو سارے کام کرتے ہیں
قلم کاغذ پکڑتے ہیں
نوالہ منہ میں بھرتے ہیں
کسی کو لمس دیتے ہیں
ہمیں جو ہاتھ دکھتے ہیں
انہی ہاتھوں میں چرخے ہیں
بڑی چرخوں میں طاقت ہے
ہر اک طاقت پہ محور ہے
ہر اک محور کی چوٹی ہے
ہر اک چوٹی پہ کلکے ہیں
وہ کلکے ہاتھ کا دل ہیں
مقدر کی امانت ہیں
انھیں کوئی جان لے پڑھنا
انھیں کوئی سمجھ دیکھے

☆چرخے: ابھار

کلکے: پوشیدہ معنی

لالچ

کسی نے لال گاڑی میں
بٹھا کر مجھ سے یہ پوچھا
کہ ہیروئین چھپانی ہے
تمھیں دونوں ہی جوتوں میں
تو کیا تم مان جاؤ گی
تو میں نے دل میں یہ سوچا

غریبی انتہا کی ہے
شرج (امیر) ہونے کا موقع ہے
یہ موقع کیوں گنواؤں میں
جو ہیروئین چھپائی تو
بہت پیسہ کماؤں گی
فلائٹ ایک پکڑوں گی
کہیں پر دور جاؤں گی

مزے ہی بس اڑاؤں گی
گرفتاری سے پہلے ہی
اگر یہ سوچ لیتی میں
ہر اک لالچ میں دھوکہ ہے
تو جوتے چھوڑ دیتی میں
غریبی انتہا کی تھی
مگر عزت سے رہتی تھی

اوکس(OAKS)

اولڈ ایسوسی ایشن آف کنیرڈ سوسائٹی

گئے تجھ کو یاں سے زمانے ہیں
کہیں کیسے وہ دن پرانے ہوئے ہیں

چمن میں جو پھیلا ہے ہر سمت سبزہ
اور اس میں کھلے ہیں جو گل چار جانب
ہر اک گل میں تیری ہی خوشبو بسی ہے
بہادوں کے لب پر بھی تیری ہنسی

یہ خوشبو ہوائیں یہ نغمے فضائیں
تجھے دے رہے ہیں یہ کب سے صدائیں
جہاں دھول اڑائی تھی کچھ روز ہم نے
وہاں نقشِ پا تیرے کیوں رہ نہ جائیں

مگر وہ بھی تیرا پتہ دے نہ پائیں
ہوئی زیست مصروف کتنی ہماری
یہ بچے یہ گھر اور یہ ذمے داری
یہ دفتر یہ گھر یہ ترقی پڑھائی

ہمیں چار جانب سے گھیرے ہوئے ہیں
بہت تنگ جیون کے پھیرے ہوئے ہیں
ملے وقت جب بھی پلٹ کر تو آجا
کہ ہونے کا اپنے یقیں تو دلا جا

کنیرڈ تجھے یاد کرتا ہے کب سے
کنیرڈ ترا دم ہی بھرتا ہے کب سے
کنیرڈ تری راہ تکتا ہے کب سے

اگر وقت ہو تو پلٹنا کبھی تو
کنیرڈ تھا تیرا بھی سپنا کبھی تو

کس دیس کی بات کروں تم سے

کس دیس کی بات کروں تم سے
جس دیس کے بچے روتے ہیں
بے گور و کفن کئی لاشوں کے
جہاں روز جنازے ہوتے ہیں
اپنا ہی لہو خود سڑکوں پہ
جہاں لوگ بہا کے دھوتے ہیں
جہاں بھوک سے بچے مرتے ہیں
جہاں وحشی چین سے سوتے ہیں
جہاں پاسِ وفا کوئی چیز نہیں
جہاں قدم قدم پر دھوکے ہیں
جہاں رشتوں میں کوئی پیار نہیں
جہاں گھر گھر ہی سمجھوتے ہیں
جہاں توڑ کے شاخ سے پھولوں کو
خود مالی ہی خوش ہوتی ہیں
جہاں وحشت خون اگلتی ہے
جہاں دریا آنسو ڈھوتے ہیں

کس دیس کی بات کروں تم سے
دو وقت کی روٹی کے بدلے
جہاں بیٹی بیچی جاتی ہے
جہاں نام پہ کارو کاری کے
بس عورت ماری جاتی ہے
جہاں بیوہ اپنا لختِ جگر
بازار میں بیچ کے آتی ہے
جہاں روز عدالت منصف کی
حق پھانسی پر لٹکاتی ہے
جس دیس کے سب ایوانوں سے
لاشوں کی بدبو آتی ہے
جہاں راج اندھیرے کرتے ہیں
جہاں شمع بجھتی جاتی ہے
کس دیس کی بات کروں تم سے
اور بات کرں تو کس سے کروں؟

تم لوگ تو گونگے بہرے ہو
باہر سے جتنے بھولے ہو
اندر سے اتنے گہرے ہو

وہ جو سونے کی دھرتی تھی
وہ پیتل کی ہو بیٹھی ہے
وہ اپنے زخمی لہجے سے
اب وہ سن لو جو کہتی ہے

میرے بچو مجھے رلاؤ مت
مجھے روتا چھوڑ کے جاؤ مت
مرا ہر گوشہ ہی زخمی ہے
اب مرہم لے کر آؤ ناں

یا بات ہے پھر کچھ لمحوں کی
تم میری لاش اٹھاؤ گے

یا بات ہے پھر کچھ سانسوں کی
تم ماں کے بنا ہو جاؤ گے
یا بات ہے پھر کچھ گھڑیوں کی
تم در در ٹھوکر کھاؤ گے

کس دیس کی بات کروں تم سے
جس دیس کے بچے روتے ہیں
جس دیس کے بچے روتے ہیں